19

سہ ماہی

علمی و تحقیقی

نور معرفت

- گفتنی ہا
- کفار کی طہارت و نجاست
- تفسیر بالرائے کی حقیقت
- امام خمینیؒ کی الٰہی سیاسی جدوجہد
- مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا تنقیدی جائزہ
- عظمت اہل بیت علیہم السلام کی روشن ترین سند
- قرآن و حدیث کی روشنی میں شفاعت کی حقیقت
- شبلی نعمانی کی مستشرقین شناسی: سیرۃ النبی (ص) کی روشنی میں

کلامُ الامامِ امامُ الکلامِ

قَدَّرَ مَا خَلَقَ فَاَحْكَمَ تَقْدِيرَهُ وَ دَبَّرَهُ فَاَلْطَفَ تَدْبِيرَهُ وَ وَجَّهَهُ لِوِجْهَتِهِ فَلَمْ يَتَعَدَّ حُدُودَ مَنْزِلَتِهِ، وَلَمْ يُقَصِّرْ دُونَ الْاِنْتِهَاءِ اِلَى غَايَتِهِ وَ لَمْ يَسْتَصْعِبْ اِذْ اُمِرَ بِالْمُضِيِّ عَلَى اِرَادَتِهِ، ـــ اَلْمُنْشِئُ اَصْنَافَ الْاَشْيَاءِ بِلاَ رَوِيَّةٍ فِكْرٍ آلَ اِلَيْهَا، وَ لاَقَرِيحَةِ غَرِيزَةٍ أَضْمَرَ عَلَيْهَا، وَ لاَتَجْرِبَةٍ اَفَادَهَا مِنْ حَوَادِثِ الدُّهُورِ وَ لاَشَرِيكٍ اَعَانَهُ ـــــــــــــــــ وَ نَهَجَ حُدُودَهَا وَ لاَئَمَ بِقُدْرَتِهِ بَيْنَ مُتَضَادِّهَا وَ وَصَلَ اَسْبَابَ قَرَائِنِهَا، وَ فَرَّقَهَا اَجْنَاساً مُخْتَلِفَاتٍ فِي الْحُدُودِ وَ الْاَقْدَارِ وَ الْغَرَائِزِ وَ الْهَيْئَاتِ بَدَايَا خَلاَئِقَ اَحْكَمَ صُنْعَهَا وَ فَطَرَهَا عَلَى مَا اَرَادَ وَ ابْتَدَعَهَا۔

یعنی: ”خدا تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا اسے ایک محکم اور معین مقدار کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس کی دقیق اور لطیف انداز میں تدبیر کی ہے۔ اور اس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص راہ پر ڈال دیا ہے، پس کوئی چیز بھی اپنی معین شدہ حدود سے تجاوز نہیں کرتی۔ اور منزل مقصود پر پہنچنے سے کوتاہی نہیں کرتی اور ارادہ الٰہی کے مطابق عمل کرنے سے منہ نہیں موڑتی۔ اور وہ ایسا کر ہی کیونکر سکتی تھیں؟ جبکہ تمام اُمور اس کے ارادے اور مشیت سے صادر ہوئے ہیں۔ وہ ایسا خدا ہے جس نے انواع و اقسام کی مخلوقات کو سوچ و بچار کے بغیر خلق کیا ہے۔

اس نے مخلوقات کو خلق فرمایا، لیکن بغیر کسی مخفی غریزے کے اور بغیر اس کے زمانوں کے حوادث سے حاصل شدہ تجربے سے استفادہ کیے۔ اور کسی شریک کے بغیر جو تعجب انگیز مخلوقات کی پیدائش میں اس کا معاون و مددگار ہو۔ پس اس کی مخلوق کامل ہو گئی اور اس نے اس کی اطاعت کی اور اس کی آواز پر لبیک کہا۔ اس کی کوئی مخلوق بھی اس کے فرمان کی بجا آوری میں تاخیر اور سستی کا مظاہرہ نہیں کرتی۔ اس نے اشیاء کے ٹیڑے پن کو دور کر کے انھیں سیدھا کر دیا اور ان کی حدود کو واضح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے باعث مختلف اور متضاد اشیاء کے درمیان ہم آہنگی اور مناسبت پیدا کی اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ اور انہیں مختلف حدود، مقادیر اور صفات و اشکال میں قرار دیا۔ حیرت انگیز مخلوقات کو اس نے پیدا کیا اور ان کی خلقت کو پائیداری اور استواری بخشی اور انہیں اپنی مشیئت کے مطابق وجود عطا کیا۔

(نہج البلاغہ، خطبہ ۹۱ سے اقتباس)

بسم الله الرحمن الرحيم

گذارشات

- مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے تحقیقی مقالات مدیر مجلہ کے نام ارسال کریں۔
- بہتر ہے مضمون کمپوز شدہ ہوں اور ان کی ضخامت بیس / پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔ ممکن ہو تو مضمون کی سافٹ کاپی بھی ارسال کریں یا مدیر مجلہ کو ای۔ میل کی جائے۔
- ممکن ہے ادارہ ہر شمارے کے لیے محققین کو اپنی طرف سے جدید تحقیق طلب موضوعات ارسال کرے۔ اس صورت میں دیے گئے موضوعات پر تحقیقات ارسال کی جائیں۔
- حواشی اور حوالہ جات کے لیے اصلی مآخذ اختیار کیے جائیں اور درج ذیل تفصیل کے ساتھ مضمون کے آخر میں لگائے جائیں:
- کتاب کا نام: ۔۔۔۔۔۔۔۔ مصنف کا نام: ۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔ مطبع: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سن طباعت: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جلد نمبر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صفحہ نمبر: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

- مجلہ نور معرفت میں: علوم قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ، کلام و فلسفہ اور اسلامی تاریخ، تقابل ادیان، تعلیم و تربیت، ادبیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، ثقافت و تمدن، قانون و اصول قانون وغیرہ پر اسلامی نقطہ نظر سے مقالات شایع کئے جاتے ہیں۔
- مجلہ نور معرفت میں شائع شدہ مقالات کسی اور جگہ طبع کرانے کی صورت میں مجلہ ہذا کا حوالہ دینا ضروری ہے۔
- علمی کتابوں پر تبصرے کے لیے مدیر مجلہ کو کتابوں کی دو کاپیاں ارسال کی جائیں۔

سہ ماہی

علمی و تحقیقی

نور معرفت

جلد 4 — شمارہ 2 — 2013

Declaration No. 7334

ISSN 2221-1659

مدیر اعلیٰ
سید حسنین عباس گردیزی

مدیر
سید [illegible] الحسن موسوی

مجلس ادارت

- ڈاکٹر شیخ محمد حسنین
- ڈاکٹر ساجد علی سبحانی
- ڈاکٹر سید ناصر عباس
- ڈاکٹر کرم حسین ودھو
- ڈاکٹر علی رضا طاہر
- ڈاکٹر [illegible] علی الہامی
- سید [illegible] علی نقوی
- سید علی مرتضیٰ زیدی

کمپوزنگ: طاہر عباس

پرنٹرز: [illegible] اسلام آباد

فی شمارہ 130 روپے — زر سالانہ 500 روپے

زر سالانہ 150 ڈالر امریکہ، کینیڈا، یورپ

زر سالانہ 070 ڈالر [illegible]

"نمت" (نور الہدیٰ مرکز تحقیقات)

نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) سادات کالونی بارہ کہو اسلام آباد

051-2231837 www.nmt.org.pk

E-mail: [illegible]

نوٹ: ادارے کا مقالہ نگار کی تمام آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مؤلف	صفحہ
1	اداریہ	مدیر	۹
2	گفتنی ہا(مغربی جمہوریت کو دینی جمہوریت میں بدلنے کی ضرورت)	مدیر	۱۰
3	تفسیر بالرائے کی حقیقیت	ثاقب اکبر	۱۶
4	مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا تنقیدی جائزہ	تقی صادقی	۳۸
5	عظمت اہل بیت علیہم السلام کی روشن ترین سند	سید رمیز الحسن موسوی	۵۰
6	قرآن وحدیث کی روشنی میں شفاعت کی حقیقت	روشن علی	۶۷
7	کفار کی طہارت ونجاست	سید مزمل حسین نقوی	
8	شبلی نعمانی کی مستشرقین شناسی: سیرۃ النبی (ص) کی روشنی میں	ڈاکٹر عباس حیدر زیدی	
9	امام خمینیؒ کی الٰہی سیاسی جدوجہد	ڈاکٹر شیخ محمد حسنین	
10	مسلمانوں کی بے جا تکفیر کے اسباب اور منفی اثرات	سید رمیز الحسن موسوی	

اہلِ قلم سے اپیل

سہ ماہی ''نورِ معرفت'' ایک علمی و تحقیقی جریدہ ہے جسے دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان علمی و تحقیقی شوق و جستجو پیدا کرنے کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔ یہ جریدہ تمام یونیورسٹیوں اور مدارس کے اساتذہ اور طلاب کا اپنا جریدہ ہے۔ لہٰذا اس جریدہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں آپ کا علمی تعاون اور قیمتی آراء مددگار ثابت ہوں گی۔

آپ سے گزارش ہے کہ اپنی تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کیلئے ارسال کریں۔ آپ کی تحقیقی اور علمی تحریروں کا استقبال کیا جائے گا۔ تمام تحریریں، فرقہ وارانہ مواد سے پاک اور علمی حوالوں سے مزین ہونی چاہییں۔

مدیر

سہ ماہی مجلّہ ''نورِ معرفت''

''نمت'' ایک نظر میں

''نمت'' (نور الہدی مرکز تحقیقات) نور الہدیٰ ٹرسٹ کا ایک ذیلی ادارہ ہے جو علماء اور دانشوروں کی ایک پانچ رکنی علمی کمیٹی کی نگرانی میں فعالیت کر رہا ہے۔ اس ادارے کا نصب العین اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج کے ذریعے پاکستانی قوم اور بالخصوص ملت تشیع کو فکری پسماندگی سے نجات دلا کر اسلامی تہذیب کی تشکیل کی ٹھوس فکری بنیادیں فراہم کرنا ہے۔

پاکستان کی ملت مسلمہ کی بنیادی مشکل دینی آگہی اور اجتماعی شعور کی کمی ہے۔ لہٰذا دینی بصیرت وآگہی کو فروغ دینے اور اجتماعی شعور بیدار کرنے والی کتب کی تالیف، ترجمہ اور اشاعت اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اسلامی تعلیمات کی ترویج، نیز انہی اہداف کے حصول کیلئے ایک علمی و تحقیقی سہ ماہی مجلّہ ''نور معرفت'' کی اشاعت، ''نمت'' کے عمدہ اہداف شمار ہوتے ہیں۔

''نمت'' اپنی فعالیت کے تقریبا پانچ سالوں میں قابل ذکر مطبوعات علمی حلقوں کی خدمت میں پیش کر چکا ہے۔ حیات فاطمہ، تعلیم الاحکام، امام خمینی کی ایک مغربی دانشور سے ملاقات، حضرت زینب، تاریخ کا ایک ناگزیر کردار، اسلامی پردہ، سول سوسائٹی، امام خمینی کا سیاسی نظریہ، قرآن اور نفسیاتی دباؤ، معجزہ کیا ہے اور پیام قرآن کی آخری تین جلدوں کا ترجمہ اس ادارے کی اب تک کی عمدہ مطبوعات ہیں۔

اس کے علاوہ سہ ماہی ''نور معرفت'' کی چار سال سے مسلسل اشاعت بھی ''نمت'' کا ایک عمدہ کارنامہ ہے۔

''نمت'' قرآن و حدیث، فلسفہ و کلام، اخلاق و عرفان اور دیگر متنوع موضوعات پر مکتب اہل بیت اطہار علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں اردو زبان میں بہتر سے بہتر لٹریچر پیش کرنے کیلئے کوشاں ہے اور اسے اس نیک کام میں ملت مسلمہ کے عوام وخواص کے تعاون کی ضرورت ہے۔

اداریہ

نور معرفت کا یہ شمارہ اس وقت تیار ہو رہا ہے جب پورے ملک میں ۲۰۱۳ء کے الیکشن کی تیاریاں زور و شور سے جاری ہیں۔ جب ہم انتخابات کے حوالے سے اپنی قوم کی سیاسی و اجتماعی سوچ یا سیاسی شعور کو دیکھتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ ہمارے قومی جرائد اور اداروں نے گذشتہ پانچ سال کے دوران قوم کے سیاسی شعور کو بلند کرنے کے حوالے سے کوئی خاص کارکردگی نہیں دکھائی۔ آج بھی قوم اُسی سیاسی اور انتخاباتی کلچر کی اسیر نظر آتی ہے جس کا مشاہدہ ہم پچھلے ۶۵ سالوں سے کر رہے ہیں۔ دین و مذہب کے نام پر وجود میں آنے والے ملک پاکستان میں نہ تو دینی سیاست نظر آتی ہے اور نہ اسلامی آداب حکمرانی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دینی تعلیم و تربیت کے عنوان سے ہمارے ادارے اپنے اہداف و مقاصد میں کامیاب نہیں ہوئے اور نہ ہی وہ قوم کی دینی اور اجتماعی فکر کا گراف بلند کر سکے ہیں۔

نور معرفت جیسے تمام جرائد کے وجود کا فلسفہ یہی ہے کہ قوم و ملت کی اجتماعی و سیاسی سوچ کو دین کے رنگ میں ڈھالا جائے؛ کیونکہ جیسی سوچ ہو گی، ویسا ہی کلچر بنے گا۔ پاکستان کی انتخاباتی سیاست سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری قوم کو ابھی مزید سیاسی تربیت کی ضرورت ہے تاکہ ہم تھانے، کچہری، قومی و لسانی اور علاقائی سیاسی کلچر سے نکل کر جامع دینی سیاسی کلچر کی طرف گامزن ہو سکیں۔ ایسا دینی و سیاسی کلچر کہ جس کے نتیجے میں قوم و ملت مغرب کی پیش کردہ دنیاوی جمہوریت سے نکل کر دینی و معنوی جمہوریت کی طرف گامزن ہو سکے اور ایسا جمہوری نظام تشکیل دے سکے کہ جس میں امن و امان اور روٹی کپڑا اور مکان جیسے بنیادی مادی وسائل کے علاوہ اس کی فکری اور معنوی تربیت کو بھی اہمیت دی جائے اور انسان کی مادی ضروریات سے زیادہ اُس کی معنوی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔

نور معرفت انہی اہداف کو لے کر اپنا علمی سفر جاری رکھے ہوئے ہے اور اس بار بھی چند علمی جواہر پارے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ سب سے پہلے قوم کے جمہوری سفر کی مناسبت سے ''گفتنی ہا'' کے عنوان سے ملک میں رائج مغربی جمہوریت اور دینی جمہوریت کے درمیان ایک مختصر سے موازنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس کے بعد قرآن و سنت اور سیرت معصومین علیہم السلام کی روشنی میں چند علمی مقالات قارئین کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

ان میں ایک مقالہ ''تفسیر بالرائے'' جیسے حساس قرآنی موضوع پر ہے، جس میں فاضل مقالہ نگار نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔اس کے اہل بیت اطہارؑ کے دینی مقام ومرتبے کو آیہ مباہلہ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ فقہی ابحاث میں سے ایک اہم بحث کفار کی طہارت ونجاست کا مسئلہ ہے۔ اس موضوع پر ایک اور مقالے میں قرآن وسنت کی روشنی میں مدلل مطالب پیش کیے جارہے ہیں۔ اسی طرح قرآن وحدیث کا ایک نمایاں عنوان مسئلہ شفاعت ہے۔اس موضوع پر بھی ایک جاندار تحریر شامل اشاعت ہے۔ دین مبین اسلام اور قرآن کریم کے حوالے سے مستشرقین کے کام کا ناقدانہ جائزہ لینا بھی ایک اہم موضوع ہے۔اس حوالے سے بھی نور معرفت کے اس شمارہ میں دو علمی تحقیقی مقالے شامل کیے جارہے ہیں۔

معاصر دینی وسیاسی مصلحین میں امام خمینیؒ کا نام جانا پہچانا ہے جن کے افکار اور سیاسی جدوجہد نے پوری دنیا کے سیاسی اعداد وشمار کو پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ امام خمینیؒ کی الٰہی سیاسی جدوجہد عصر حاضر کے مسلمان سیاست دانوں اور سیاسی رہنماؤں کیلئے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ بالخصوص پاکستان کے موجودہ سیاسی حالات میں سیاست کی بگڑی کو بنانے کا دعوی کرنے والوں اور ان کے جیالوں کیلئے امام خمینی کی الٰہی سیاسی جدوجہد میں کئی درس موجود ہیں۔اس حوالے سے بھی ایک جاندار تحریر، نور معرفت کے قارئین کی نذر کی جارہی ہے۔

آخر میں عصر حاضر میں اُمت مسلمہ کو درپیش ایک پیچیدہ مسئلے یعنی ایک مخصوص گروہ کی طرف سے مسلمانوں کی تکفیر کے اسباب واثرات کا جائزہ بھی پیش کیا جارہا ہے۔ نیز تمام مقالات کے خلاصوں کا ترجمہ بھی Abstracts میں شامل ہے۔ اس بار انگریزی ترجمہ کی یہ زحمت ہمارے مہربان دوست ملک اعجاز صاحب نے اٹھائی ہے۔ ہم ان کے بھی شکرگذار ہیں۔ بہرصورت، نور معرفت کی ٹیم ہمیشہ کی طرح اب بھی آپ کے علمی تعاون اور محققانہ تنقیدی آراء کی منتظر ہے اور مادی اور معنوی حوصلہ افزائی کرنے والے معاونین کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

*****

گفتنی ها

مغربی جمہوریت کو دینی جمہوریت میں بدلنے کی ضرورت

سید رمیز الحسن موسوی*

srhm2000@yahoo.com

پاکستان کی سیاسی تاریخ میں پہلی جمہوری حکومت نے اپنی سیاسی مدت پوری کی ہے۔ اگرچہ حکمران جماعت اسے بہت بڑی کامیابی قرار دے رہی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حکومت کے دور اقتدار میں پاکستانی عوام نفسیاتی، اخلاقی، معاشی اور کئی دیگر حوالوں سے مایوسی کا شکار ہوئی اور ایسا اس لیے ہوا کہ ہمارے ملک کا جمہوری نظام، مغربی جمہوریت کا پیروکار ہے۔ عالمی شیطانی طاقتوں نے اس وقت تیسری دنیا کے تمام ممالک میں اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے کہیں آمریت اور بادشاہیت کا نظام قائم کیا ہوا ہے تو کہیں نام نہاد جمہوریت کا نظام۔ بدقسمتی سے پاکستان بھی تشکیل کے پہلے دن ہی انگریزوں کے بنائے ہوئے سیاسی نظام کے جال میں گرفتار ہو گیا تھا۔ حالانکہ یہ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا تھا اور یہاں وہ دینی جمہوریت حاکم ہونا چاہیے جو بنیادی انسانی حقوق کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہے۔

مغربی جمہوریت میں جھوٹ، فریب، ریاکاری، منافقت، پیسہ اور طاقت کے بل بوتے پر عوام سے حقیقی حق انتخاب سلب کر لیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس، دینی جمہوریت میں عوام حقیقی طور آزادی کے ساتھ انتخاب کرتے ہیں۔ ان کے نمائندے ان کے قومی و ملی تشخص کی پاسداری کرتے ہیں۔ دینی جمہوریت میں انتخاب کے بعد منتخب نمائندوں کا مسلسل محاسبہ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم پاکستان کے موجودہ ظالمانہ جمہوری نظام کو اسی وقت ایک رفاہی اور الٰہی نظام میں تبدیل کر سکتے ہیں جب گذشتہ حالات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے چہروں کی بجائے نظام بدلنے کی کوشش کریں اور مغربی جمہوریت سے دینی جمہوریت کی طرف اپنا سفر شروع کریں۔ دینی جمہوریت کی شرائط پر پورا اُترنے والے نمائندوں کا انتخاب کریں۔ ایسے حکمرانوں کا انتخاب نہ کریں جو رفاہی منصوبوں کے سبز باغ دکھا کر ہماری عزت نفس کو داؤ پر لگا دیں، ہمارے قومی و ملی تشخص کو پامال کر دیں اور عالمی شیطانی طاقتوں کو ہم پر مسلط کر دیں۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم مغربی جمہوریت کو دینی جمہوریت میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مزید پانچ سال کے لئے پاکستانی قوم ایک بار پھر عالمی سامراج کے جال میں گرفتار ہو جائے گی جس کے نتائج سابقہ ۵ سالہ دور اقتدار کے نتائج سے کہیں زیادہ بھیانک ہوں گے۔

---

* ۔ مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بھارہ کہو، اسلام آباد۔

پاکستان میں اس وقت الیکشن ۲۰۱۳ء کے انعقاد کی تیاریاں پورے زور و شور پر ہیں۔ یہ اس حال میں ہو رہا ہے کہ جب پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ایک جمہوری حکومت نے پہلی دفعہ اپنی سیاسی مدت پوری کی ہے اور بزعم خود اپنی منتخب حکومت کے "کامیاب" پانچ سال پورے کئے ہیں۔ اس کامیابی پر حکمران جماعت کے کارکن خوشیاں منا رہے ہیں اور اپنے "جمہوری" کارناموں کی لمبی لمبی فہرستیں بیان کر رہے ہیں۔ اُن کی کامیابی کے دعوئوں کو اگر مغربی جمہوریت کی عینک سے دیکھیں تو اُن کا یہ خوشیاں منانا کافی حد تک بجا اور اُن کا سیاسی کامیابی کا نعرہ بھی بڑی حد تک درست نظر آتا ہے، کیونکہ ان پانچ سالوں میں حکمران جماعت اور اس کے جیالوں نے جو ذاتی مفادات اٹھائے ہیں ان کا ایک عام پاکستانی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہی مغربی جمہوریت کی خصوصیت ہے کہ جس کے اندرونی رازوں اور گھپلوں سے عام انسان آگاہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس جمہوری حکومت کے پانچ سالوں کے دوران نفسیاتی، اخلاقی، معاشی اور دوسرے تمام اجتماعی شعبوں میں عام پاکستانی کس قدر مایوسی کا شکار ہوا ہے، اس کو سمجھنے کے لئے جس سیاسی بلوغ کی ضرورت ہے وہ ہماری قوم میں ابھی تک پیدا نہیں ہوا۔ اس لیے کہ اب ہماری قوم ایک بار پھر اسی طرز حکمرانی کو دوام بخشتے ہوئے اگلے پانچ سالوں کے لئے فقط حکمرانوں کے چہرے بدلنے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ پاکستان میں ابھی تک عوام نے حقیقی جمہوریت کا مزہ چکھا ہی نہیں جو کہ دینی اور اسلامی جمہوریت ہے اور نہ ہی ہماری عوام کو اس حقیقی جمہوریت کے تقاضوں کا شعور ہے۔

عالمی میڈیا بھی پاکستان میں جمہوریت کے پانچ سال پورے ہونے کا سہرا پی پی پی کے قائدین کے سر باندھ رہا ہے۔ عالمی میڈیا یعنی صیہونی و مغربی میڈیا کے نزدیک جمہوریت یہی ہے کہ جس میں معزز لٹیروں کی ایک جماعت الیکشن کے نام پر ہر قسم کے جھوٹ، دھوکہ، فریب، زر اور زور کے بل بوتے پر سیاسی شعور سے عاری عوام کے ووٹوں کے ذریعے حکومت پر پانچ سال کے لئے قبضہ کر لے۔ اور پھر عوام کے تمام جمہوری حقوق کو پس پشت ڈال کر پانچ سال تک لوٹ مار کا بازار گرم رکھے۔ پانچ سال بعد جب اس جماعت کے پیٹ عوام کے خون پسینہ کی دولت سے پھٹنے لگیں تو پھر لٹیروں کی ایک اور جماعت میدان میں اُتر پڑے اور پھر سے سادہ دل عوام کو بلند و بانگ نعروں سے جدید انتخابات کیلئے تیار کرنے لگے۔ اسی

کو مغربی جمہوریت کہتے ہیں اور جمہوریت کا یہ کاروبار اس زمانے میں پوری دنیا میں رائج ہے اور اسے اس دور کا مقبول ترین طرز حکمرانی قرار دیا جاتا ہے۔

اس طرز حکمرانی اور جمہوریت کی سرپرستی عالمی لٹیروں اور اُن کے شیطانی نظریہ پردازوں کے ذریعے کی جا رہی ہے اور اس شیطانی جمہوریت کا پروپیگنڈہ عالمی میڈیا کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ جو بھی سیاسی جماعت اس انسانیت دشمن طرز حکمرانی کے بنیادی اصولوں کی ذرہ برابر مخالفت کرتی ہے، اُسے شیطانی میڈیا کے ذریعے غیر مقبول بنا کر میدان عمل سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ عالمی شیطانی طاقتوں نے اس وقت تیسری دنیا کے تمام ممالک میں اسی جمہوریت کے ذریعے اقوام وملل کی تقدیر کو اپنے ہاتھ لیا ہوا ہے۔ خصوصاً اسلامی ممالک کو بھی کہیں تو شخصی آمریت کا نظام قائم کرکے اپنے قابو میں کیا ہوا ہے اور جہاں آمریت کے لئے زمین ہموار نہیں، وہاں اسی مفاد پرست جمہوریت کے ذریعے مسلمانوں کے مال ودولت کو لوٹا جا رہا ہے۔ پاکستان کے مسلمان بھی انہی مظلوموں میں سے ہیں جنہیں ایک عرصے سے کبھی تو آمریت کی چھری سے ذبح کیا گیا تو کبھی مغربی جمہوریت کے پرفریب نعروں کے ذریعے اپنے دام میں قید کیا گیا۔

پاکستان کے مظلوم اور جذباتی مسلمانوں نے پاکستان کی تشکیل میں اسی جذبے کے تحت قربانیاں دی تھیں کہ اُنہیں اپنے جمہوری ملک میں تمام انسانی حقوق ملیں گے اور وہ اُن تمام آسائشوں سے بہرہ مند ہوں گے جو ہندو اکثریت سے نہ مل سکیں گے۔ لیکن پاکستان کے سادہ دل عوام کو اس بات کا شعور نہیں تھا کہ وہ آزادی کا پروانہ ایک ایسی شیطانی طاقت سے حاصل کر رہے ہیں جس کی شیطانی سیاست کا ایک ماضی ہے اور جس نے پاکستان کی آزادی کے ساتھ ہی فلسطین کی اسلامی سرزمین پر صیہونیت نام کے ایک ایسے زہریلے پودے کا بیج بو دیا ہے جو عرصہ دراز تک مسلمانوں کے اندر اپنا زہر پھیلاتا رہے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان اپنی تشکیل کے پہلے دن سے ہی انگریزوں کے بنائے ہوئے سیاسی نظام کے جال میں گرفتار ہو گیا تھا۔ جس کا ظاہر انتہائی خوبصورت اور باطن انتہائی تاریک ہے۔

شاید پاکستانی عوام کو گذشتہ پاکستانی حکمرانوں کے سیاہ کارناموں کا یقین نہ دلایا جاسکے لیکن وہ انگریز کے دیے گئے اس طرز حکومت کی نحوست کا مشاہدہ موجودہ حکومت کے بظاہر "کامیاب" پانچ سالوں میں اچھی

طرح کر سکتی ہے۔ جن پاکستانیوں کا حافظہ کمزور نہیں اُنہیں اچھی طرح یاد ہو گا کہ گرمیوں کے پچھلے پانچ موسم ہم نے کس سختی میں گذارے۔ جب ان جمہوری حکمرانوں کے بچے تو کیا کتے بھی ایر کنڈیشنوں کی سرد ہوائوں میں سوتے تھے اور ہمارے ننھے ننھے معصوم بچے گرمی کی شدت میں لوڈ شیڈنگ کے عذاب سے دوچار ہو کر ساری رات نیم بیداری میں گذارتے تھے۔

پھر اسی نیم بیداری کی حالت میں جب وہ روکی سوکھی کھا کر اسکول وکالج کی طرف روانہ ہوتے تو اُنہیں نئے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا اور وہ سی این جی کی لوڈشیڈنگ کا عذاب تھا۔ جس کی وجہ سے نہ تو کوئی طالب علم بروقت اسکول کالج میں حاضر ہو سکتا تھا اور نہ ملازم پیشہ لوگ اپنے کاروبار زندگی پر پہنچ سکتے تھے۔ جس جمہوریت میں عبادت گاہیں تک محفوظ نہ ہوں، تعلیمی مراکز آگ وخون کی لپیٹ میں ہوں، عام انسان اپنے بنیادی ترین حقوق سے محروم ہوں، اُسے جمہوری کہلانے کا کیا حق حاصل ہے؟

مغربی جمہوریت کے مقابلے میں حقیقی جمہوریت کم از کم بنیادی انسانی حقوق کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا دعوی ہے کہ ہم نے پاکستان اسلام وقرآن ہی کے نام پر حاصل کیا ہے۔ لہٰذا یہاں دینی واسلامی جمہوریت ہی حاکم ہونا چاہیے۔ اسلامی جمہوریت وہ جمہوری نظامِ حکومت ہے جسے علمائے اسلام نے زمان ومکان کے تقاضوں کے پیش نظر جائز قرار دیا ہے۔ البتہ اس جمہوریت کے اپنے شرعی حدود وقیود اور دینی مبانی ہیں جن کا تفصیلی مطالعہ اس موضوع سے متعلق کتب میں کیا جا سکتا ہے۔ علمائے دین اور فقہائے عظام کی دینی جمہوریت سے مراد کوئی خاص انداز انتخاب نہیں بلکہ یہی طریقہ انتخاب ہے جس میں عوام اپنے ارادے اور اختیار سے الٰہی نظام حکومت چلانے کے لئے ایک حکومت منتخب کرتے ہیں۔ اِس انتخاب میں ان کا اپنا ارادہ و اختیار کارفرما ہوتا ہے، کسی غیر کا ارادہ کارفرما نہیں ہوتا۔ مسلمان عوام کے ارادے ہی سے حکومت بنتی ہے اور ایسی حکومت ہی اُن کے حقوق کا دفاع کر سکتی ہے۔

لیکن مغربی جمہوریت میں عوام کے ارادے سے حکومت نہیں بنتی بلکہ جھوٹ، فریب، ریاکاری، منافقت اور سب سے بڑھ کر پیسے اور طاقت کے بل بوتے پر عوام کے ارادے اور اختیار کو سلب کر لیا جاتا ہے، ووٹ خرید لیے جاتے ہیں اور لسانی، قومی اور مذہبی بنیادوں پر عوام کو تقسیم کرکے اُن کے ووٹوں پر ہاتھ

صاف کیے جاتے ہیں۔ اسلامی جمہوریت میں ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں انسانوں کو آزادی دی جاتی ہے کہ وہ اپنی سوچ اور سیاسی بصیرت کے ساتھ اپنے نمائندوں کا انتخاب کریں۔ دینی جمہوریت یا طرز انتخاب وہ جمہوریت اور انتخاب ہے جس میں عوام آزاد ہوں اور اپنے اختیار و ارادے کو بروئے کار لا سکیں، اپنی رائے کا اظہار کر سکیں اور ہر قسم کے سیاسی، معاشی، نفسیاتی دباؤ اور خوف و خطر کے بغیر اپنے ووٹ کا استعمال کریں۔

پھر مغربی جمہوریت کے مقابلے میں دینی جمہوریت میں اس بات کو اہمیت حاصل ہوتی ہے کہ عوام کس کا انتخاب کریں، اگلے پانچ سال کے لئے اپنی تقدیر کیسے لوگوں کے سپرد کریں؟ کیا وہ ایسے شخص کو اپنا نمائندہ بنائیں جو اُن کی مادی زندگی کے وسائل فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اُن کے لئے سڑکیں بنائے، پل تعمیر کرے، کارخانے لگائے، غرض زندگی کے تمام مادی وسائل فراہم کرنے کی ضمانت دے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُن کی عزت نفس کو بھی داؤ پر لگا دے۔ اُن کے قومی و ملی تشخص کو پامال کر دے، عالمی شیطانی طاقتوں کو اُن پر اس طرح مسلط کر دے کہ وہ جس وقت چاہیں، مسلمان عوام کی عزت و ناموس اور مال و دولت کو لوٹ کر چلے جائیں اور ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگے۔ دینی جمہوریت میں ایسے انتخاب کی اجازت نہیں ہے اور عوام الناس کے لئے ایسے انتخاب میں حصہ لینا گناہ کبیرہ شمار ہوتا ہے۔ دینی جمہوریت میں ایسے لوگوں کا انتخاب جائز نہیں ہے جو اپنے یا اپنے آقاؤں کے سیاسی مفادات کی خاطر عوام میں تفرقہ وانتشار پھیلائیں اور ضرورت کے وقت دہشت گرد عناصر سے ساز باز کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کریں اور ہزاروں بے گناہ انسانوں کے قاتلوں کے پشت پناہ بن جائیں۔

دینی جمہوریت کی تیسری بڑی شرط یہ ہے کہ انتخاب کے بعد منتخب نمائندوں کا محاسبہ تسلسل کے ساتھ جاری رہے۔ کسی نمائندے کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ جب وہ ملت کی طرف سے سیاسی قدرت حاصل کر لیں تو اسے سب سے پہلے اللہ کی اور پھر عوام کی امانت سمجھیں۔ اگر وہ محکم ایمان کے مالک ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کا خوف اُنہیں کسی بھی صورت میں قوم وملت کے حقوق

سے چشم پوشی نہیں کرنے دے گا اور اگر وہ اقتدار کی زرق وبرق کی وجہ سے نفس امارہ کا شکار ہو گئے تو عوامی احتساب کا ڈر اُنہیں حقوق کی پامالی سے روکے رکھے گا۔

دینی نظام سیاست میں کوئی شخص خواہ عوام کے ووٹوں سے ایوان اقتدار تک پہنچے یا کسی اور شرعی طریقے سے مسند اقتدار پر بیٹھے، اُس کے لئے کچھ شرائط اور آداب ہیں۔ اگر وہ ان شرائط پر پورا نہیں اُترتا یا ان آداب کا لحاظ نہیں رکھتا تو وہ مسلمان معاشرے کی سیاسی نمائندگی کا حق نہیں رکھتا۔ سیاسی نمائندوں کی شرائط کا بہترین نمونہ حضرت امام علی علیہ السلام کا وہ طولانی مکتوب ہے جو اُنھوں نے مصر کی حکومت اپنے نمائندے مالک اشتر نخعیؓ کے سپرد کرتے وقت لکھا تھا۔ جس میں مالک اشتر کو اپنے ماتحت عوام الناس پر حکمرانی کے آداب کا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کا یہ مکتوب تا قیامت مسلمانوں پر حکمرانی کرنے والوں اور انتخاب کے ذریعے ایوان حکومت تک پہنچنے والوں کے لئے سنہری حروف میں لکھی جانے والی دستاویز ہے جو عصر حاضر میں بھی دینی جمہوریت اور مغربی جمہوریت کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

عوام الناس کو بھی چاہیے کہ وہ اس دینی وسیاسی دستاویز میں ذکر شدہ اُصولوں اور شرائط پر پورے اُترنے والے اُمید واروں کا انتخاب کریں تاکہ ہم مغربی جمہوریت سے دینی جمہوریت کی طرف اپنا سفر شروع کر سکیں۔ دینی جمہوریت میں حکمران کے لئے اپنی رعایا سے محبت ضروری ہے؛ اگر یہ محبت نہیں ہو گی تو وہ اُن کا حقیقی نمائندہ اور اُن کے حقوق کا محافظ نہیں بن سکتا۔ اس سلسلے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"رعایا کے لئے اپنے دل کے اندر رحم ورأفت اور لطف و محبت کو جگہ دو۔ ان کے لئے پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن جاؤ کہ انھیں نگل جانا غنیمت سمجھنے لگو"۔

عوام میں ہر قسم کی نفسیات کے لوگ ہوتے ہیں، جن میں شریف اور پُر امن بھی ہیں اور شریر و مجرم بھی؛ لہٰذا اُن سے حکمران کے رویے کے بارے میں فرماتے ہیں:

''تمہیں کسی کو معاف کر دینے پر پچھتانا اور سزا دینے پر اترانا نہیں چاہیئے۔ غصہ میں جلد بازی سے کام نہ لو جبکہ اس کے ٹال دینے کی گنجائش ہو، کبھی یہ نہ کہنا کہ میں حاکم بنایا گیا ہوں، لہٰذا میرے حکم کے آگے سر تسلیم خم ہونا چاہیے''۔

مغربی جمہوریت کی سب سے بڑی آفت کنبہ پروری، دوستوں، خاص لوگوں اور اپنی جماعت کے کارکنوں اور عام عوام میں امتیازی رویہ رکھنا ہے۔ یہ وہ آفت ہے جس کی زد پر ہماری سیاست ہے۔ دینی جمہوریت میں اس کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ امام فرماتے ہیں:

''اپنی ذات کے بارے میں اور اپنے خاص عزیزوں اور رعایا میں سے اپنے دل پسند افراد کے معاملے میں حقوق اللہ اور حقوق الناس کے متعلق انصاف کرنا، کیونکہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ظالم ٹھہروگے اور جو خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو بندوں کے بجائے اللہ اس کا حریف و دشمن بن جاتا ہے''۔

عوام کو ناراض کر کے خواص کو راضی رکھنا، دنیوی سیاست کا معمول ہے۔ جس کا خمیازہ آخر کار ہر ظالم حکمران کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اس سیاسی آفت سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے امام علیؑ فرماتے ہیں:

''تمہیں سب طریقوں سے زیادہ وہ طریقہ پسند ہونا چاہیے جو حق کے اعتبار سے بہترین، انصاف کے لحاظ سے سب کو شامل اور رعایا کے زیادہ سے زیادہ افراد کی مرضی کے مطابق ہو کیونکہ عوام کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بے اثر بنا دیتی ہے اور خواص کی ناراضگی عوام کی رضامندی کے ہوتے ہوئے نظر انداز کی جا سکتی ہے''۔

دنیوی جمہوریت اور سیاسی نظام کی سب سے بڑی آفت خواص ہوتے ہیں جن کو حکمران اپنے سیاسی مفاد کی خاطر اہمیت دیتے ہیں جو اسی اہمیت اور قربت کے پیش نظر عوامی حقوق کی پامالی کا باعث بنتے ہیں۔ اس آفت کی طرف متوجہ کراتے ہوئے مولا علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اور یہ یاد رکھو! کہ رعیت میں خواص سے زیادہ کوئی ایسا نہیں کہ جو خوش حالی کے وقت حاکم پر بوجھ بننے والا، مصیبت کے وقت امداد سے کترا جانے والا، انصاف پر ناک بھوں چڑھانے والا، طلب و سوال کے موقعہ پر پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جانے والا، بخشش پر کم شکر گزار ہونے والا، محروم کر دیے جانے پر بمشکل

عذر سننے والا، اور زمانہ کی ابتلاؤں پر بے صبری دکھانے والا ہو۔ اس کے مقابلے میں عوام ہی دین کا مضبوط سہارا، مسلمانوں کی قوت اور دشمن کے مقابلے میں سامان دفاع ہوتے ہیں لہٰذا تمہاری پوری توجہ اور تمہارا پورا رخ انہیں کی جانب ہونا چاہیے"۔

بُرے حکمران کی سب سے بڑی خامی یہ ہوتی ہے کہ اُس کے اعوان و انصار اور وزراء میں شریر، گناہگار اور بے ایمان لوگ شامل ہوں جو معاشرے پر کسی قسم کے ظلم و ستم سے دریغ نہیں کرتے۔ ان کے بجائے نیک، مدبر اور شجاع لوگ حکمران کے بہترین معاون بن سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں امامؑ فرماتے ہیں:

" جو تم سے پہلے بد کرداروں کا وزیر اور گناہوں میں ان کا شریک رہ چکا ہے اس قسم کے لوگوں کو تمہارے مخصوصین میں سے نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ گنہگاروں کے معاون اور ظالموں کے ساتھی ہوتے ہیں ان کی جگہ تمہیں ایسے لوگ مل سکتے ہیں جو تدبیر و رائے اور کارکردگی کے اعتبار سے ان کے مثل ہوں گے مگر ان کی طرح گناہوں کی گرانباریوں میں دبے ہوئے نہ ہوں جنھوں نے نہ کسی ظالم کی اس کے ظلم میں مدد کی ہو اور نہ کسی گنہگار کا اس کے گناہ میں ہاتھ بٹایا ہو"۔

پاکستان کے موجودہ ظالمانہ جمہوری نظام کو ہم اسی وقت ایک رفاہی اور الٰہی نظام میں تبدیل کر سکتے ہیں جب گذشتہ حالات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے چہروں کی بجائے نظام بدلنے کی کوشش کریں اور مغربی جمہوریت سے دینی جمہوریت کی طرف اپنا سفر شروع کریں۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ ہم دینی جمہوریت کی شرائط پر پورا اُترنے والے نمائندوں کا انتخاب کریں۔ اس وقت یہ پوری قوم، تمام دینی سیاسی جماعتوں اور کارکنوں کا فریضہ ہے کہ وہ مغربی جمہوریت کو دینی جمہوریت میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مزید پانچ سال کے لئے پاکستانی قوم ایک بار پھر عالمی سامراج کے جال میں گرفتار ہو جائے گی جس کے نتائج آج سے کہیں زیادہ بُرے اور بھیانک ہوں گے۔

☆☆☆☆☆

تفسیر بالرائے کی حقیقت

ثاقب اکبر*

قرآن شناسی کے اصولوں میں سے تفسیر بالرائے کا موضوع بہت اہمیت رکھتا ہے۔ البتہ اس موضوع کے کئی ذیلی عناوین ہیں جن کا جائزہ لیے بغیر تفسیر بالرائے کی حقیقت تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ شیعہ و سنی متونِ احادیث میں ایسی بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں جن میں تفسیر بالرائے کی ممانعت کی گئی ہے۔ مثلاً رسول اللہؐ سے مروی ہے کہ جس شخص نے اپنی رائے کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر کی اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ان روایات میں جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ ہمارے نزدیک بالکل واضح ہے۔ خود ''تفسیر بالرائے'' کے عنوان سے بھی حقیقت مطلب تک پہنچا جاسکتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنے سے پہلے کوئی رائے رکھتا ہو اور پھر قرآنی آیات کو اس رائے پر مطابقت دینے کی کوشش کرے تو یہ تفسیر بالرائے ہے۔ تفسیر بالرائے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں: ۱) جہالت کی بنیاد پر تفسیر بالرائے؛ ۲) علم و آگاہی کے باوجود، غلط مقاصد کی بنیاد پر اپنی رائے کو درست ثابت کرنے کے لیے تفسیر بالرائے؛ ۳) علم و آگاہی کے ساتھ لیکن صحیح مقصد کے لیے تفسیر بالرائے۔

بعض کا کہنا ہے کہ چونکہ قرآن حکیم کا معنی و مقصود فقط نبیٔ کریم یا آئمہ اہل بیتؑ ہی بیان کر سکتے ہیں۔ اہل سنت میں ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم کی احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال ہی کی روشنی میں قرآن حکیم کو سمجھا جاسکتا ہے۔ جو لوگ تفسیر بالآثار پر جمود کے قائل ہیں ان میں سے بعض کے نزدیک ظواہر قرآن سے عام لوگ استفادہ نہیں کر سکتے۔ لیکن کتب احادیث میں ایسی بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں جو ظواہر کتاب کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا قرآنی کلمات کے عامۃ الناس کیلئے قابل فہم ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ نیز تفسیر بالآثار کا نظریہ اس لیے بھی کمزور ہے کیونکہ بہت سی آیات ایسی ہیں جن کے بارے میں کوئی کمزور روایت بھی نقل نہیں ہوئی۔ تو آیا یہ آیات عام مسلمانوں کیلئے کوئی معنی و مفہوم نہیں رکھتیں؟

قرآن حکیم میں عقل و فکر سے کام لینے کی دعوت ویسے تو بہت سے مقامات پر آئی ہے لیکن خود قرآن میں تدبر کرنے کا خصوصیت سے حکم بھی آیا ہے۔ اب اگر قرآن کے ظواہر حجت ہی نہ ہوں اور عام انسانوں کو یہ سمجھ ہی نہ آسکتے ہوں تو پھر اس میں تدبر اور غور و فکر کی دعوت کیسے دی جاسکتی ہے؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''تفسیر بالرائے'' سے ممانعت کرنے والی روایات عام مسلمانوں کو آیات قرآن میں غور و فکر سے نہیں روکتیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ عام مسلمانوں کا قرآن کریم میں تدبر سے روکتے ہیں یہی لوگ قرآن حکیم کی تفسیر بالرائے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

*۔ صدر نشین البصیرہ، اسلام آباد

قرآن شناسی کے اصولوں پر بات کرتے ہوئے تفسیر بالرائے کی حقیقت کو جاننا بہت ضروری ہے۔ یہ موضوع خود اپنے اندر متنوع ذیلی موضوعات رکھتا ہے۔ مثلاً: تفسیر سے کیا مراد ہے؟ تاویل سے کیا مراد ہے؟ تفسیر و تاویل میں فرق ہے تو کیا ہے؟ معرفت قرآن میں اسباب نزول اور شان نزول کا کیا کردار ہے؟ قرآن حکیم میں تدبر و تعقل کی حقیقت کیا ہے؟ آیا قرآن کے ظواہر حجیت رکھتے ہیں یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ بالا تمام پہلوؤں کا جائزہ لیے بغیر تفسیر بالرائے کی حقیقت تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ شیعہ و سنی متونِ احادیث میں ایسی بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں جن میں تفسیر بالرائے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ہم سب سے پہلے انہی روایات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

تفسیر بالرائے احادیث و روایات کی روشنی میں

بہت سی روایات تفسیر بالرائے سے ممانعت کے حوالے سے مروی ہیں۔ ایسی روایات شیعہ و سنی دونوں مکاتب فکر کی کتب میں نقل ہوئی ہیں۔ ہم ذیل میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔ رسول اللہؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ما اٰمَنَ بِی مَنْ فَسَّرَ بِرَأْیِہ کَلَامِی ''(1) یعنی: ''وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو میرے کلام کی تفسیر اپنی رائے کی بنیاد پر کرے۔'' نیز آنحضرتؐ ہی سے روایت کیا گیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: '' مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَأْیِہٖ فَلْیَتَبَوأ مَقْعَدَہٗ مِن النَّار''(2) یعنی: '' جس شخص نے اپنی رائے کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر کی اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔''

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے: '' مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَأْیِہٖ اِن اصابَ لَم یُوجَر، و ان اخطأ فھو ابعد من السماء۔''(3) یعنی: '' جس نے اپنی رائے کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر کی اگر اس کی یہ تفسیر حقیقت کے مطابق ہوئی تو اسے کوئی اجر نہیں ملے گا اور اگر خطا ہوئی تو وہ آسمانوں سے دور تر ہو گیا۔''

ایک روایت میں ہے کہ امام محمد باقرؑ نے قتادہ سے فرمایا: '' ویحك یا قتادۃ ان کنت انما فسرت القرآن من تلقاء نفسك فقد ھلکت واھلکت وان اخذتہ من الرجال فقد ھلکت و اھلکت۔'' (4) یعنی: '' قتادہ تجھ پر افسوس کہ تو نے خود اپنی طرف سے قرآن کی تفسیر کی تو تو خود بھی ہلاک ہوا اور تو نے دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈال دیا اور اگر تو نے دوسرے لوگوں سے اسے حاصل کیا تو بھی تو نے اپنے آپ کو اور دوسروں کو ہلاکت میں ڈال دیا۔''

امام حسن عسکریؑ سے منسوب تفسیر میں آیا ہے:

''کیا تو جانتا ہے کہ قرآن سے کون لوگ تمسک رکھتے ہیں اس قرآن سے جو ایک بلند مرتبہ شرف ہے، وہ لوگ جو قرآن اور اس کی تاویل ہم اہل بیت سے یا ہمارے اُن نمائندوں اور سفیروں سے حاصل کرتے ہیں جو ہم اپنے پیروکاروں کے لیے مقرر کرتے ہیں نہ کہ بدکاروں کے قیاس اور اہل جدل کی آرا کے ذریعے البتہ وہ افراد جو اپنی رائے کی بنیاد پر قرآن کے بارے میں اظہار نظر کرتے ہیں اگر اتفاقاً ان کی بات درست بھی ہو تو ان کا عمل جہالت کی بنیاد پر ہو گا کیونکہ انھوں نے قرآن کو اس کے غیر اہل سے حاصل کیا ہے اور اگر ان کی بات خطا پر مبنی ہوئی تو پھر خلاف حقیقت ہوئی اور ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔''

روایات پر ایک تبصرہ

مذکورہ بالا روایات میں جس چیز سے منع کیا گیا ہے ہمارے نزدیک وہ بالکل واضح ہے۔ خود'' تفسیر بالرائے'' کا عنوان بھی حقیقت مطلب تک پہنچانے میں راہنمائی کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنے سے پہلے کوئی رائے رکھتا ہو اور پھر قرآن کی آیات کو اس رائے پر مطابقت دینے کی کوشش کرے بالفاظ دیگر قرآنی آیات کی من مانی تفسیر کرے، قرآنی آیات کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق بیان کرنے کی کوشش کرے تو یہ تفسیر بالرائے ہے۔ گویا اس میں رائے پہلے ہے اور تفسیر بعد میں ہے جبکہ قرآن ہی نہیں کسی اور کتاب کے ساتھ بھی یہ سلوک کیا جائے تو ناروا، غلط اور قابل مذمت ہے؛ چہ جائیکہ اس کتاب کے ساتھ جو اللہ کے بندوں کے لیے ہدایت کے لیے اتری ہو اور جسے بندگان خدا کے لیے ہدایت و معرفت کا آخری آسمانی صحیفہ قرار دیا جاتا ہو۔ آئندہ سطور میں ہم دیکھیں گے کہ ممتاز اور بزرگ علمائے اسلام نے مذکورہ بالا روایات سے یہی مفہوم اخذ کیا ہے۔ نیز یہی نقطہ دیگر دلائل سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلی حدیث سے یہ مفہوم اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو تو پھر وہ قرآن حکیم کی آیات کو اپنی رائے سے مطابقت دیتے ہوئے تفسیر نہیں کرے گا۔ لہٰذا فرمایا گیا ہے کہ وہ شخص مجھ پر ایمان ہی نہیں لایا کہ جو میرے کلام کی تفسیر اپنی رائے کے مطابق کرے گا۔ ظاہر ہے کہ پھر ایسے شخص کے لیے جو بھی سزا بیان کی گئی ہے وہ بالکل بجا اور قابل فہم ہے۔ وہ شخص جو قرآن حکیم کے ساتھ یہ سلوک

کرے اس کا ٹھکانا جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ نیز یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اگر ایسے شخص کی کوئی رائے اتفاقاً قرآن کے نظریے سے ہم آہنگ بھی ہو تو اس کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں ہو سکتا کیونکہ اجر و ثواب کا تعلق انسان کے حسن نیت سے ہے۔ اللہ کی رضا کا تعلق قربت الٰہی کے قصد اور ارادے سے ہے۔

تفسیر بالرائے کی صورتیں

مندرجہ بالا تبصرے کو سامنے رکھا جائے تو پھر تفسیر بالرائے کی مختلف صورتوں کو سمجھا جاسکتا ہے چنانچہ استاد جوادی آملی نے تفسیر بالرائے کی تین صورتیں ذکر کی ہیں۔

1) جہالت کی بنیاد پر۔
2) علم و آگاہی کی بنیاد پر اپنی رائے کو درست ثابت کرنے کے لیے اپنی رائے کو غلط جاننے کے باوجود اور غلط مقاصد کی بنیاد پر۔
3) علم و آگاہی کے ساتھ لیکن صحیح مقصد کے لیے۔

جہالت کی بنیاد پر تفسیر بالرائے

تفسیر بالرائے کرنے والا شخص ممکن ہے کبھی اس امر سے جاہل ہو۔ یہ صورت حال ہم اپنی روز مرہ زندگی میں مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ بعض شخصیات سے حسن عقیدت کے طور پر ان کے بارے میں ایک خاص گمان پیدا کر لیتے ہیں۔ اسی طرح سے بہت سے لوگوں کو اپنے بعض نظریات کے بارے میں اطمینان ہے کہ وہ درست ہیں۔ ایسے لوگ اکثر قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر اپنے حسن عقیدت اور نظریات کے پیش نظر کرتے ہیں۔ اس کا علاج سوائے حصول علم، وسعت مطالعہ، دقت نظر اور خلوص نیت کے اور کچھ بھی نہیں۔ اس کا پہلا زینہ ہماری نظر میں یہ ہے کہ انسان اپنی رائے یا اپنے نظریے پر نظر ثانی کے لیے ہمیشہ تیار رہے اور اس بات کا امکان رکھے کہ اس کی رائے یا نظریہ غلط ہو سکتا ہے۔ اس کا کم از کم فائدہ یہ ہے کہ وہ تفسیر کرتے ہوئے اپنی رائے کو یا اپنی پیش کردہ تفسیر کو ایک امکان کے طور پر ذکر کرے گا۔

آگاہی کے ساتھ تفسیر بالرائے

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو اس درد کا درماں اتنا آسان نہیں مگر یہ کہ انسان توبہ و انابت کی طرف مائل ہو جائے۔ گذشتہ قوموں میں بھی ایسے لوگ گزرے ہیں کہ جو معمولی سے مادی فائدے

کے لیے آیات الٰہی کے مطالب کو دگرگوں کردیتے تھے۔ قرآن حکیم میں متعدد آیات اس امر کی حکایت کرتی ہیں۔

" إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلاً أُولَـئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلاَّ النَّارَ وَلاَ يُكَلِّمُهُمُ اللّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ " (5)

یعنی :"وہ لوگ جو کتاب میں نازل کی گئی بات کو چھپاتے ہیں اور اس ذریعے سے معمولی سی قیمت حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں سوائے آگ کے کچھ نہیں ڈالتے؛ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

ایک اور مقام پر بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

" وَآمِنُواْ بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَكُمْ وَلاَ تَكُونُواْ أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ وَلاَ تَشْتَرُواْ بِآيَاتِي ثَمَناً قَلِيلاً وَّإِيَّايَ فَاتَّقُونِO وَلاَ تَلْبِسُواْ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُواْ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ " (6)

یعنی :"اور ایمان لاؤ جو میں نے نازل کیا ہے (اور جو) تصدیق کرنے والا ہے اس (کتاب) کی جو (پہلے سے) تمھارے پاس ہے اور اس کا پہلے انکار کرنے والے نہ بن جاؤ اور نہ میری آیتوں کو معمولی قیمت پر بیچو اور صرف مجھ سے ڈرو نیز حق کو باطل سے نہ ملاؤ اور نہ حق کو چھپاؤ جبکہ تم جانتے بھی ہو۔"

اس طرز عمل کا تعلق فقط گذشتہ قوموں سے نہیں ہے بلکہ بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی ایسے بہت سے گندم نما جو فروش پائے جاتے ہیں جو اس معمولی سی مادی زندگی کے حقیر مفادات کی خاطر قرآن پاک کی غلط تفسیر کرتے ہیں۔ تفسیر بالرائے کے لیے جو سزا بیان کی گئی ہے اس کا سب سے حقدار یہی گروہ ہے۔

صحیح مقصد کے لیے تفسیر بالرائے

تفسیر بالرائے کی ہر صورت غلط ہے۔ صحیح مقصد کے لیے کی جائے یا غلط مقصد کے لیے، جہالت کی بنیاد پر کی جائے یا آگاہی کے ساتھ۔ تفسیر بالرائے بہرحال ناپسندیدہ اور قابل مذمت ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض لوگوں کا مقصد تو نیک ہوتا ہے یا صحیح ہوتا ہے لیکن وہ قرآن حکیم کی آیات کی غلط تفسیر کرتے ہیں یا اپنی رائے کے مطابق اس کے مطلب کو موڑ لیتے ہیں۔ اس کی مثال آیت اللہ جوادی عاملی نے یہ دی ہے کہ بعض صوفیا قرآن حکیم کی اس آیت " اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى " (7)

یعنی: ” فرعون کی طرف چلے جائو کہ وہ سرکش ہو چکا ہے۔“ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فرعون سے مراد یہاں ہوائے نفس ہے اور نفس انسانی جو سرکش ہو چکا ہے اسے قابو کرنے کے لیے موسیٰ یعنی عقل کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنا کردار ادا کرے۔(8)

ایک مثال استاد مطہری نے بھی نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ صوفیا کے بقول ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ کے ذبح کرنے کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ عقل کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نفس کو ذبح کرے۔(9)

استاد مکارم شیرازی کا نظریہ

آیت اللہ استاد مکارم شیرازی جو عصر حاضر کے معروف مفسر ہیں اور جن کی تفسیر نمونہ عالمی شہرت رکھتی ہے تفسیر بالرائے کے بارے میں کہتے ہیں:

> ” تفسیر بالرائے سے مراد ہے قرآن کا معنی اپنی ذاتی یا اپنے گروہ کی خواہشات اور عقیدے کے مطابق کرنا بغیر اس کے کہ اس کے لیے کوئی قرینہ یا شاہد ہو۔ ایسا کرنے والا شخص در حقیقت قرآن کے تابع نہیں بلکہ چاہتا ہے کہ قرآن کو اپنے تابع کرلے۔ اگر یہ شخص قرآن پر کامل ایمان رکھتا ہوتا تو ایسا ہرگز نہ کرتا۔ یقیناً اگر تفسیر بالرائے کا دروازہ قرآن کے لیے کھول دیا جائے تو قرآن کاملاً اعتبار سے ساقط ہو جائے اور پھر ہر کوئی اپنی خواہش کے مطابق اس کا معنی کرنے لگے اور ہر باطل عقیدے کی قرآن سے مطابقت ثابت کرنے لگے۔،،(10)

دوسرا نظریہ

تفسیر بالرائے کے بارے میں ایک دوسرا نظریہ بھی ہے۔ اس نظریے کے مطابق قرآن حکیم کی تفسیر فقط اسباب النزول، شان ہائے نزول یا احادیث کی روشنی میں بیان کی جانا چاہیے۔ اس نظریے کے حامل کہتے ہیں کہ قرآن کا معنی و مقصود فقط نبیؐ کریم یا ان کے تعلیم یافتہ یا ائمہ اہل بیتؑ ہی کر سکتے ہیں۔ اہل سنت میں ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم کی احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال ہی کی روشنی میں قرآن حکیم کو سمجھا جاسکتا ہے۔ صحابہؓ اس لیے کہ وہ نبی کریمؐ کے بلاواسطہ شاگرد تھے جبکہ تابعین نے قرآن حکیم کے مطالب کو صحابہ سے اخذ کیا تھا۔ عام طور پر سلفی فکر کے حامل یا اہل حدیث کے ہاں یہ نظریہ پایا جاتا ہے۔

شیعوں کے ہاں ایسا نظریہ رکھنے والوں کو اخباری کہتے ہیں۔ اخباری کا کلمہ خبر سے نکلا ہے اور خبر سے مراد یہاں وہ روایات ہیں جو نبی کریمؐ یا ائمہ اہل بیتؑ سے مروی ہیں۔ گویا اخبار و روایات کو قرآن حکیم پر ناظر

قرار دینے والے گروہ کو اصطلاح میں اخباری کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایسی بہت سی روایات ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ اور ائمہ اہل بیتؑ کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے قرآن مجید کی تفسیر کرے۔ وہ اپنے موقف کی تائید میں مذکورہ بالا روایات کے علاوہ بھی بعض روایات نقل کرتے ہیں جن میں قرآن فہمی کے لیے اہل بیتؑ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسرے نظریے کی تائید میں چند احادیث

ایسی متعدد روایات ہیں جن سے تفسیر بالماثور کے قائل علماء اپنے موقف کی تائید میں استفادہ کرتے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) شیخ ابو علی طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان میں رسول اللہؐ اور ائمہ اہل بیتؑ سے اس روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے نقل کرتے ہیں" ان تفسیر القرآن لا یجوز الا بالأثر الصحیح والنص الصریح۔" (11) کہ یقیناً تفسیر قرآن جائز نہیں مگر صحیح حدیث اور نص صریح سے۔

(۲) امام حاکم نے مستدرک میں اور دیگر کئی ایک محدثین نے حضرت علیؑ کے بارے میں رسول اکرمؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے: " علی مع القرآن والقرآن مع علی لن یتفرقا حتی یردا علیّ الحوض"۔ یعنی: "علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں ہر گز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض پر پہنچ جائیں گے۔،،(12)

جہاں تک پہلی قسم کی احادیث کا تعلق ہے تو ان کا مفہوم متعین کرنے کے لیے ہمیں احادیث کی دیگر اقسام کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا۔ جن کا کچھ ذکر ہم نے بعد کی سطور میں کیا ہے۔ انھیں سامنے رکھا جائے تو ان احادیث سے یہ مراد لی جانا چاہیے کہ تفسیر قرآن کرتے ہوئے صحیح روایات کو پیش نظر رکھا جائے۔ یوں ہی ظواہر قرآن سے معنی اخذ کرتے ہوئے نصوص قرآنی کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ نصوص کو بنیاد بنا کر تفسیر کرنا چاہیے۔ اسی طرح دوسری قسم کی روایات میں امام علیؑ اور دیگر آئمہ اہل بیتؑ کی پیشوائی کو قبول کرنے، انھیں مرکز امت کے طور پر تسلیم کرنے نیز قرآن فہمی میں ان کی روش کو اختیار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

قرآنی آیات سے استدلال

روایات پر تفسیرِ قرآن کو منحصر قرار دینے والے علماء اپنی رائے کی تائید میں بعض آیات قرآن بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو مخاطب قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

" وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ " (13)

یعنی: "ہم نے آپ کی طرف ذکر کو نازل کیا تاکہ آپ انسان کے لیے وہ کچھ بیان اور واضح کریں جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے۔"

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قرآن کا بیان اور اس کی وضاحت و تفسیر رسول اللہؐ کے ذمے ہے اگر لوگ خود سمجھ سکتے تو پھر آپؐ سے کیوں کہا جاتا کہ اس کا بیان و وضاحت آپ کریں۔

"وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ" (14)

یعنی: "اور ان (متشابہات) کی تاویل اللہ اور راسخون فی العلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

"فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" (15)

یعنی: "اور جب تمھارے علم میں نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھو۔"

تفسیر بالآثار کے طرفداروں کی خدمت میں عرض کیا جاسکتا ہے کہ آپ کیونکر آیات سے بلاواسطہ استدلال کر سکتے ہیں۔ آپ تو قرآن سے اس طرح کے استفادے کو درست نہیں سمجھتے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ روایات میں "وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ"۔(16) اور "أَهْلَ الذِّكْرِ" سے مراد ائمہ اہل بیتؑ لیے گئے ہیں۔(17) اس بارے میں ہماری گذارش یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کلمات کا اولین اور بہترین مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی عترت سے مراد ائمہ اطہارؑ ہی ہیں لیکن اس سے ان کلمات کی عمومیت ختم نہیں ہو جاتی۔ اس سلسلے میں ہم نے اپنا نقطۂ نظر دیگر دلائل سے بھی ثابت کیا ہے۔

تفسیر بالماثور کے بارے میں بعض علماء کی آراء

محمد امین استر آبادی کہتے ہیں: قرآن عام لوگوں کی سطح فہم کے مطابق نازل نہیں ہوا اور یہ ان کے لیے ناقابل فہم ہے۔ قرآن اہل ذکر (ع) کی سطح فہم کے مطابق نازل ہوا ہے۔ قرآن کے ناسخ و منسوخ کا علم اور یہ کہ کون سی آیت اپنے ظاہر پر باقی نہیں اس کا علم صرف اہل بیت (ع) کو ہے۔(18)

سید ہاشم بحرانی کہتے ہیں: ہمارے معاصرین نے تفسیر لکھی ہے کہ جو ائمہ معصومین، جو قرآن کی تنزیل و تاویل کے عالم ہیں، سے منقول نہیں ہے۔ واجب ہے کہ تفسیر قرآن سے ہاتھ روکے رکھیں تاکہ ان کی جانب سے تفسیر و تاویل حاصل ہوسکے کیونکہ ائمہ معصومین تنزیل و تاویل کا علم رکھتے ہیں اور جو کچھ ان کی جانب سے پہنچا ہے سب نور و ہدایت ہے اور جو کچھ ان کے غیر سے آیا ہے ظلمت و تاریکی ہے۔ عجیب

ہے کہ معانی و بیان کے عالم یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ علوم حاصل کرکے کتاب الٰہی کے اسرار تک پہنچا جاسکتا ہے وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ خود ان علوم کے مسائل کی قرآنی موارد پر مطابقت کے لیے بھی ان آئمہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ جو قرآن کی تنزیل و تاویل کا علم رکھتے ہیں۔(19)

جلال الدین سیوطی کہتے ہیں: بعض کا کہنا ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ تفسیر قرآن کرے اگرچہ وہ عالم، ادیب اور طرق استدلال کا ماہر ہو اور فقہ، نحو، تاری7خ اور آثار کا عالم ہو مگر یہ کہ اس کی تفسیر رسول اللہؐ سے منقول روایات کی بنیاد پر ہو۔(20)

ابو عبداللہ قرطبیؒ کہتے ہیں: بعض علماء کا کہنا ہے کہ تفسیر قرآن سماع[روایات پیغمبراکرمؐ] پر متوقف ہے۔(21)

ابراہیم شاطبیؒ کہتے ہیں: مناسب نہیں کہ قرآن سے استنباط کا انحصار خود قرآن پر ہو اور قرآن کی شرح و بیان یعنی سنت کی طرف رجوع نہ کیا جائے کیونکہ جہاں بھی قرآن کلی کا حامل ہو اور کلی امور پر مشتمل ہو وہاں سنت کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔(22)

ظواہر قرآن کی حجیت

تفسیر بالرائے کی بحث میں ظواہر قرآن کی حجیت کا موضوع بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جو لوگ تفسیر بالآثار پر جمود کے قائل ہیں ان میں سے بعض کے نزدیک ظواہر قرآن سے عام لوگ استفادہ نہیں کر سکتے۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ " ظواہر "" نصوص" کے مقابلے میں ایک کلمہ ہے۔ علمائے اصول کی تعریف کے مطابق "نص" اس عبارت کو کہتے ہیں جس سے اخذ کیا جانے والا مطلب ایسا ہو کہ جو بہت واضح طور پر معلوم ہوتا ہو اور اس کے خلاف کوئی دوسرا احتمال موجود نہ ہو جبکہ " ظاہر" اس عبارت کو کہتے ہیں جس کا ایک معنی تو متبادر اور فوری طور پر ذہن میں آنے والا ہو اور کوئی دوسرا معنی بھی ممکن ہو سکے۔ علمائے اصولین کے نزدیک کوئی دوسرا معنی اسی صورت میں مراد لیا جاسکتا ہے جب عبارت کے داخل یا خارج یا دونوں میں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جس کی بنا پر ظاہری معنی مراد نہ لیا جاسکتا ہو۔ اسی ظاہری معنی کو علمائے اصولین حجت قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے بہت سے عقلی اور نقلی دلائل ہیں۔ عقلی دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

ا. یہ ایک عام عقلی قاعدہ ہے کہ ہر عبارت اور کتاب کے ظواہر کو حجت سمجھا جاتا ہے۔

II. قرآن حکیم نے مخالفین کو مقابلے کی دعوت دی ہے اور کہا ہے کہ اگر تم اس کتاب کو اللہ کی طرف سے نازل نہیں سمجھتے تو پھر اس جیسی کتاب، دس سورتیں یا کوئی ایک سورۃ ہی بنا کر لے آؤ، اسے تحدی کہتے ہیں۔ یہ دعوت اسی صورت میں درست ہو سکتی ہے جب ظواہر کتاب کی حجیت کا قائل ہوا جائے۔

III. قرآن لوگوں کی ہدایت کے لیے آیا ہے اور اگر اس کے ظواہر حجت نہ ہوں تو پھر یہ کیسے ہدایت کا سامان بن سکتی ہے۔

ظواہر کتاب کی حجیت کے بارے میں روایات

کتب احادیث میں ایسی بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں جو ظواہر کتاب کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں۔ تفسیر بالرائے کے بارے میں منقول روایات کا معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے ان روایات کو بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہم اس سلسلے میں روایات کی مختلف اقسام کی طرف ذیل میں اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ اگرچہ حدیث ثقلین سے بعض علماء نے اس معنی میں استفادہ کیا ہے کہ قرآن حکیم کے مطالب کے اخذ کے لیے عترت اہل بیت کی طرف رجوع کرنا چاہیے لیکن ہماری دانست میں اس حدیث میں کتاب و عترت کو الگ الگ حجت قرار دیا گیا ہے۔ مومنین کو چاہیے کہ جیسے اہلبیت کا دامن پکڑے رکھیں اسی طرح قرآن سے بھی وابستہ رہیں اور یہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔

۲۔ متعدد روایات میں قرآن حکیم کو لوگوں کا مرجع اور پناہ گاہ قرار دیا گیا ہے مثلاً وسائل الشیعہ میں ہے کہ امام صادقؑ نے اپنے آبائے کرام کے ذریعے سے رسول اللہؐ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

اذا التبست علیکم الفتن کقطع اللیل المظلم فعلیکم بالقرآن فانه شافع مشفع ،وماحل مصدق، ومن جعله امامه قاده الی الجنة، ومن جعله خلفه ساقه الی النار۔ وهو الدلیل علی خیر سبیل۔۔۔ (23)

یعنی: ”جب تم پر فتنے شب کی تاریکی کی طرح چھا جائیں تو تمھیں چاہیے کہ قرآن کی طرف رجوع کرو کیونکہ قرآن ایک ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے اور ایک ایسا حامی ہے جس کی تصدیق کی جاتی ہے اور جس نے قرآن کو پیش نظر رکھا وہ اسے جنت کی طرف

لے جائے گا اور جس نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا اسے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور قرآن ایسا راہنما ہے جو بہترین راستے پر لے جاتا ہے۔"

۳۔ بعض روایات ایسی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ روایات کو کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو اگر اس سے ہم آہنگ ہوں تو صحیح ہیں ورنہ جعلی ہیں۔ اس سلسلے میں امام صادقؑ سے ایک فرمان وسائل الشیعہ میں منقول ہے۔

ان علی کل حق حقیقة و علی کل صواب نوراً فما وافق کتاب اللہ فخذوہ و ما خالف کتاب اللہ فدعوہ (24)

یعنی: "یقیناً ہر حق کے اوپر ایک حقیقت ہے اور ہر صحیح کام کے لیے ایک نور ہے پس ہر وہ چیز جو کتاب سے ہم آہنگ ہو اسے لے لو اور جو کتاب اللہ کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو۔"

بعض روایات میں یہ بات صراحت سے فرمائی گئی ہے کہ اگر دو خبروں میں تعارض ہو جائے تو جو کتاب سے موافق ہو اسے لے لو۔ ان روایات میں قرآن کو حق و باطل میں تمیز کے لیے معیار قرار دیا گیا ہے۔ اگر ظواہر کتاب حجت نہ ہوں تو قرآن کس طرح سے حق و باطل کے مابین تمیز کے لیے معیار قرار پا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی مختلف قسم کی روایات موجود ہیں جن سے ظواہر قرآن کی حجیت ثابت ہوتی ہے اور جن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کو اپنا رہبر و راہنما اور پیشوا قرار دیں۔ اگر عام مسلمان قرآن سے ہدایت حاصل نہ کر سکتے ہوں تو کیسے وہ اسے اپنا رہبر و راہنما بنا سکتے ہیں۔

روایات تفسیری کا نقص

روایات تفسیری کے بعض نواقص ایسے ہیں جن کے پیش نظر تفسیر بالروایات پر انحصار کے حامیوں کا نقطہ نظر قبول کیا جانا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم ذیل میں ان میں سے چند ایک کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

ا. منقول تفسیری روایات قرآن حکیم کی تمام تر آیات کے بارے میں نہیں ہیں جبکہ وہ آیات ان سے بھی کم ہیں جن کے بارے میں کوئی شان نزول منقول ہو۔ بہت سی ایسی آیات ہیں جن کے بارے میں کوئی کمزور روایت بھی نقل نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر بالآثار یا تفسیر بالروایات کے طرف دار اس موقع پر خاموش رہنے کا کہتے ہیں۔ ظاہر ہے اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ قرآن حکیم کا ایک بڑا حصہ ناقابل استفادہ قرار پائے۔

II. تفسیری روایات میں اسرائیلیات کا ایک بڑا حصہ شامل ہو چکا ہے۔ مسلمان ہونے والے بہت سے اہل کتاب اسلام لانے کے ساتھ ساتھ اپنی کتب کے ذخیروں میں سے بہت سی ایسی باتیں لے آئے جو قرآنی مطالب کی تفسیر کے عنوان سے مسلمان معاشرے میں رائج ہو گئیں۔ تاریخ اسلام کے عنوان سے لکھی گئی قدیم تواریخ میں بھی بہت سی اسرائیلیات راہ پا گئی ہیں۔

III. جعلی روایات کا ایک بڑا ذخیرہ بھی تفسیری روایات کے عنوان سے قدیم تفسیری ذخیرے میں شامل ہو چکا ہے۔ غرانیق کی جعلی داستان اس کی ایک قابل افسوس مثال ہے جس کی بنیاد پر دشمنان اسلام کو "شیطانی آیات" جیسی کتابیں لکھنے کا موقع ملا۔ عبدالکریم ابن ابی عوجا کو جب قتل کیا جانے لگا تو اس نے اعتراض کیا کہ اس نے چار ہزار حدیثیں گھڑی ہیں جن کی مدد سے اس نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ظاہر کیا ہے۔

تاویل کا مفہوم

تاویل کا لغوی معنی :

لغت میں تاویل کسی چیز کے انجام کو کہتے ہیں۔

تاویل روایات کی نظر میں :

روایات میں تاویل باطن قرآن کو کہتے ہیں۔ بہت سی روایات میں آیا ہے کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔(25) بعض آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ تاویل سے مراد واقعیت خارجی ہے جو لفظوں سے بالاتر ہوتی ہے۔ جیسا کہ سورہ یوسف میں ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں اور خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ مصر میں یوسفؑ کے پاس پہنچے اور سب ان کے سامنے جھک گئے تو حضرت یوسفؑ نے بچپن میں خواب میں جو سورج، چاند اور گیارہ ستاروں کو دیکھا تھا کہ وہ انھیں سجدہ کر رہے ہیں، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ :

هَـٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ (26)

یعنی: "یہ ہے میرے پہلے خواب کی تاویل"

تفسیر وتاویل میں فرق

تفسیر و تاویل میں فرق مختلف علماء کے نزدیک مختلف ہو سکتا ہے اور اس کی بنیاد ان کے نزدیک تفسیر اور تاویل کی مختلف تعریف ہے۔

سید حیدر آملی کا نظریہ

تفسیر سے مراد ہے کیفیت نزول آیات کے اسباب اور شان نزول وغیرہ اور شان نزول اسباب نزول کی روایت درست ہواس صورت میں اس کے مطابق یہ تفسیر جائز ہے جبکہ تاویلِ آیات ان کے معنی کی مناسبت سے انھیں صرف کرنے کو کہتے ہیں اور یہ علما کے لیے ممنوع نہیں بشر طیکہ ایسا قرآن و سنت کے مطابق ہو۔ (27)

ایک روایت میں ہے کہ:

" ظهره تنزيله وبطنه تاويله "(28)

یعنی: "قرآن کا ظاہر اس کی تنزیل ہے اور اس کا باطن اس کی تاویل ہے۔"

ابن عربی کا نظریہ

ابن عربی کہتے ہیں: "ہر حسی صورت کی ایک معنوی روح ہوتی ہے۔ صورت حسی اس چیز کا ظاہر ہے اور اس کی معنوی روح اس کا باطن ہوتی ہے۔ جو صورت اندر ہوتی ہے وہی ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا ظاہر و باطن میں ہمیشہ جمع کرنا چاہیے اور عبرت کا مقصد بھی یہی ظاہر سے باطن کی طرف عبور ہے۔ وہ لوگ جو ظاہر پر جمود کر جاتے ہیں وہ صورتِ ظاہر سے ہر گز عبور نہیں کرتے، وہ عبرت حاصل کرنے کو تعجب کرنے پر منحصر کر دیتے ہیں۔"(29)

امام خمینیؒ کا نظریہ

امام خمینی کہتے ہیں: "کلی طور پر تفسیر کا معنی اس کتاب کے مقاصد کی تشریح کرنا اور اہم امر صاحبِ کتاب کے پیش نظریات کا بیان ہے۔ یہ کتاب شریف جو اللہ تعالیٰ کی گواہی کے مطابق ہدایت و تعلیم کی کتاب اور انسانیت کے راستے کا نور ہے، مفسر کو چاہیے کہ اس کے ہر قصے سے بلکہ ہر آیت سے عالم غیب کے راستے کی ہدایت و سعادت نیز معرفت و انسانیت کے راستے کی راہنمائی کا درس طالب علم کو دے۔ مفسر جب نزول کا مقصد ہمیں سمجھاتا ہے تو وہ مفسر ہے جب سبب نزول بتاتا ہے تو اس وقت وہ مفسر نہیں ہے۔"(30)

امام خمینیؒ مزید فرماتے ہیں: "اس صحیفہ نورانیہ کا ایک اور پردہ کہ جو اس سے استفادہ میں رکاوٹ بنتا ہے یہ اعتقاد ہے کہ جو کچھ مفسرین لکھ چکے ہیں یا سمجھ چکے ہیں اس کے علاوہ کسی کو اس سے استفادہ کا حق نہیں پہنچتا۔ اس نظریے کے حامل افراد کو آیات شریفہ میں غور و فکر اور اس تفسیر بالرائے کے مابین اشتباہ ہو گیا ہے کہ جو ممنوع ہے۔ اس فاسد رائے اور باطل عقیدے کی وجہ سے ان لوگوں نے قرآن شریف کو تمام فنون سے استفادہ سے عاری کر دیا ہے اور اسے مکمل طور پر مہجور کر دیا ہے جبکہ قرآن شریف سے اخلاقی، ایمانی اور عرفانی حوالے سے استفادہ کرنا کسی صورت بھی تفسیر سے مربوط نہیں چہ جائیکہ یہ تفسیر بالرائے ہو۔" (31)

گویا ان کے نزدیک آیات قرآنی پر غور و فکر کرنا ایک اور چیز ہے اور تفسیر بالرائے ایک اور چیز ہے۔ ایک اور مقام پر امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ "جو لوگ تاویل سے بچتے ہیں وہ خود ایک طرح کی تاویل میں پھنس گئے ہیں۔ یعنی تاویل نہ کرنے کا نظریہ تو بذات خود ایک تاویل ہے۔

بعض علما کا کہنا ہے کہ تاویل قرآن میں امام خمینی کی روش ایک اصول پر استوار ہے اور وہ ہے کتاب تدوین، کتاب تکوین اور کتاب انفس میں مطابقت۔ اگر ہم نفس انسانی کو کتب الٰہی میں سے ایک کتاب، عالم خارج کو کتاب تکوین اور قرآن حکیم کو اللہ کی کتاب تدوین سمجھ لیں تو اس صورت میں تاویل قرآن کا مطلب کتاب تدوین کو کتاب تکوین و انفس سے مطابقت دینا ہے۔ سید حیدر آملی نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے۔ (32)

ممکن ہے ابتدائی نظر میں کسی قاری کو یہ نظریہ سر سید احمد خاں کے نظریۂ تفسیر سے ہم آہنگ معلوم ہو لیکن امام خمینیؒ کی عبارات اور موقفات پر نظر رکھنے والے اس استنباط کی نفی کریں گے کیونکہ امام خمینیؒ کا نظریہ آفاق و انفس سر سید کے نظریہ فطرت سے بہت مختلف ہے جو فطرت کے مادی مطالعے سے عبارت ہے جبکہ امام خمینیؒ کی نظر کائنات پر بحیثیت کل اور اجزا پر بحیثیت جزء جزء عارفانہ ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

چند قابل تاویل آیات

بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن حکیم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن کا ظاہری معنی مراد نہیں لیا جاسکتا اور ضروری ہے کہ ان کی تاویل کی جائے اور تاویل سے ان کی مراد لفظی اور لغوی معنی سے ہٹ کر ان کی مراد کا معلوم کرنا ہے۔ چند آیات ہم بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

" وَمَن كَانَ فِي هَـٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ " (33)

یعنی: " اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا۔"

" صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ " (34)

یعنی: "وہ گونگے، بہرے اور اندھے ہیں پس نہیں سمجھتے۔"

" وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ " (35)

یعنی: "اور یہودی کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (بلکہ) انہی کے ہاتھ بندھے ہیں اور ان پر ایسی بات کہنے کی بنا پر لعنت کی گئی ہے جبکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔"

" وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا " (36)

یعنی: "ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔"

ان علمائے کرام کے بقول پہلی دو آیتوں میں نابینا سے مراد ظاہری آنکھوں کی بینائی سے محروم شخص نہیں بلکہ معرفت الٰہی، بصیرت اور باطنی آنکھوں سے محروم شخص ہے۔ اسی طرح گونگے اور بہرے سے مراد بھی مادی زبان اور کانوں سے محروم انسان نہیں۔ چوتھی آیت میں "اَعْيُنِنَا" یعنی ہماری آنکھوں سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بھی ہماری طرح کی کوئی آنکھیں ہیں بلکہ اس سے مراد "محضر الٰہی" ہے، اس کا حضور ہے اور اس کی ہدایت کی مطابقت ہے۔

چند قابل تاویل احادیث

مثال کے طور پر چند احادیث بھی پیش کی جاتی ہیں کہ جن سے ظاہری معنی مراد نہیں لیا جاسکتا:

" الحجر الاسود یمین اللہ فی الارض" (37)

یعنی: "حجر اسود زمین میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے۔"

ابن اثیر نے اس کی تاویل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کلام تمثیل پر مبنی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ حجر اسود سے جب کوئی شخص اپنا ہاتھ مس کرتا ہے تو گویا وہ اللہ کے دائیں ہاتھ سے ہاتھ ملا رہا ہوتا ہے اور حجر اسود اللہ کی ملکیت بھی ہے اور اس موقع پر وہ ایک طرح سے اللہ کے دائیں ہاتھ کا قائم مقام ہوتا ہے۔(38)

ابن منظور نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں میں کوئی نقص نہیں ہے اور اس میں کمال ہی کمال ہے۔ بایاں ہاتھ چونکہ دائیں کی نسبت نقص کی علامت ہے اس لیے اللہ کے لیے دائیں ہاتھ کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث میں جہاں بھی ہاتھ ،دونوں ہاتھ اور دایاں ہاتھ وغیرہ جیسے جوارح کی جو اللہ سے نسبت دی گئی ہے یہ مجاز اور استعارہ کی حیثیت رکھتی ہے ورنہ اللہ تشبیہ اور جسم و جسمانیت سے منزہ ہے۔"(39)

"قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمن" (40)

یعنی: "مومن کا دل رحمان کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے مابین ہے۔"

"انی لاجد نفس الرحمان من جانب الیمن" (41)

یعنی: "یقیناً میں نے نفس رحمان کو یمن کی جانب پایا ہے۔"

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یمن میں چونکہ اسلام کے حامی اور وفادار کثرت سے موجود تھے اس لیے نبی کریمؐ نے یمن کی طرف اشارہ کرکے درحقیقت انہی کی تعریف فرمائی ہے اور انھیں نفس الرحمٰن قرار دیا ہے۔(42)

ظاہر ہے اللہ جسم و جسمانیت اور حد و محدودیت سے ماوراء ہے۔ وہ کسی سمت میں قرار پا سکتا ہے اور نہ حد میں محدود رہ سکتا ہے۔ وہ اعضاء و جوارح کا خالق ہے ان کا محتاج نہیں۔ البتہ تاویل کا موضوع خاصا پہلودار اور عمیق ہے۔ اس پر علماء کی مختلف آراء ہیں جن کا دقت نظر سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ بعض کے نزدیک قرآن حکیم کی کسی آیت کی تاویل کی ضرورت نہیں۔ بعض کے نزدیک محاورہ، ضرب المثل، ایماء، استعارہ، تمثیل، تشبیہ اور علامت وغیرہ ہر زبان کا حصہ ہے۔ اسی طرح ہر زبان زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق ظہور میں آتی ہے اور ان کے مطابق ہی سمجھی جا سکتی ہے۔ قرآن کی زبان کا بھی یہی حال ہے۔

ان تمام امور کو نظر میں رکھنے والے بعض افراد کے نزدیک قرآن میں ظہور ہی ظہور ہے لہٰذا تاویل کی ضرورت نہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تاویل کا موضوع اتنا مختصر اور سادہ نہیں اور ناگزیر بھی ہے۔ ہم اس سلسلے میں صرف دو مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے اس موضوع کی ضرورت اور عمق دونوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک قول سلفی عالم عبدالعزیز ابن باز کا ہے جسے سامنے رکھ کر تاویل کی ضرورت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور دوسرا امام خمینیؒ کے ہاں سے تاویل کا ایک نمونہ:

عبدالعزیز بن باز کہتے ہیں

یعنی: ''ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جلال و جمال کی حامل صورت رکھتا ہے نیز ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دو حقیقی آنکھیں ہیں اور اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی دو آنکھیں ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کے دو بڑے اور باکرامت ہاتھ ہیں۔'' (43)

تاویل کا ایک نمونہ

ہم امام خمینیؒ کی کتاب آداب الصلوۃ میں سے تاویل کا ایک نمونہ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ایک مقام پر وہ [قل ھو اللہ احد] کے الفاظ کی ایک احتمالی تاویل یوں بیان کرتے ہیں:

قل۔۔۔ھو۔۔۔ مقام فیض اقدس جو ذات اسماء ذاتیہ ہے

اللہ۔۔۔ مقام احدیت جمع اسمائی جو حضرت اسم اعظم ہے

احد۔۔۔ مقام احدیت (44)

تدبر فی القرآن کا حکم

قرآن حکیم میں عقل و فکر سے کام لینے کی دعوت ویسے تو بہت سے مقامات پر آئی ہے اور عقل و فکر سے کام نہ لینے کی مذمت بھی آئی ہے لیکن خود قرآن میں تدبر کرنے کا حکم بھی آیا ہے اور تدبر فی القرآن نہ کرنے والوں کی سخت مذمت بھی کی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات پر ایک نگاہ ڈالیے:

(i) تدبر کرنے کا حکم دیتے ہوئے سورہ ص میں فرمایا گیا ہے:

'' كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ '' (45)

یعنی: ''ہم نے ایک بابرکت کتاب آپ پر نازل کی ہے تاکہ وہ اس کی آیات پر تدبر کریں۔''

(ii) تدبر فی القرآن نہ کرنے والوں کی مذمت میں فرمایا گیا ہے:

" أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا" (46)

یعنی: "وہ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے کیا دلوں پر ان کے تالے پڑے ہیں؟"

جب قرآن کے ظواہر حجت ہی نہ ہوں اور عام انسانوں کو یہ سمجھ ہی نہ آسکتے ہوں بلکہ ان سے معنی و مراد اخذ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہو تو پھر اس میں تدبر اور غور و فکر کی دعوت کیسے دی جاسکتی ہے؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "تفسیر بالرائے" سے ممانعت کرنے والی روایات ان آیات کے منافی نہیں ہیں اور وہ عام مسلمانوں کو بھی آیات قرآن میں غور و فکر سے نہیں روکتیں چہ جائیکہ وہ اہل علم و فضل جو پاک دلی سے قرآن پر غور کرتے ہیں اور قرآن سے حاصل کیے گئے دانائی اور بصیرت کے جواہر پارے اپنے سامعین اور قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

لائق توجہ

علمائے کرام اور مفسرین کی بے پناہ اور قابل قدر کوششوں اور ریاضتوں کے باوجود اب بھی بہت سے کم سواد یا بے علم افراد منبروں پر آکر عامۃ الناس اور سادہ دل مسلمانوں کو قرآن حکیم سے استفادے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے صرف نبی کریمؐ اور آئمہ اہل بیتؑ سمجھ سکتے ہیں کسی اور کو اس سے اخذ مطلب کا حق نہیں۔ مزید دردناک پہلو یہ ہے کہ یہی لوگ قرآن حکیم کی تفسیر بالرائے کے بھی مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ عام مسلمانوں کی آنحضرتؐ اور ان کی پاک آلؑ سے مخلصانہ اور صادقانہ محبت کا استحصال کرتے ہیں اور اپنے دنیاوی مفادات کے لیے اس سے سوئے استفادہ کرتے ہیں۔ حق ہے کہ محراب و منبر پر اہل علم و فضل رونق افروز ہوں اور قرآن و اہل بیتؑ سے حاصل کیے گئے معارف و بصائر لوگوں تک پہنچائیں۔

حوالہ جات

1۔ صدوق (م ۳۸۱ھ) الامالی (قم، موسسہ البعثۃ، ط اول، ۱۴۱۷ھ) ص ۵۵، ح ۱۰

2۔ سمرقندی، ابواللیث (م ۳۸۳ھ): تفسیر سمرقندی (بیروت، دارالفکر) ج ۱، ص ۳۶ رازی، فخرالدین (م ۶۰۶ھ): تفسیر کبیر، ج ۷، ص ۱۹۱۔۔۔آل عمران کی آیت ۷ کے ذیل میں

3۔عیاشی، تفسیر عیاشی، جلد۱، ص ۱۸ و بحارالانوار، جلد۹۲علاوہ ازیں یہ روایت آنحضرت (ص) سے بھی مروی ہے دیکھیے: موصلی ،ابویعلی، (م ۳۰۷ھ)مسند ابی یعلی(بیروت، دارالمامون للتراث،ط دوم)ج۳، ص۹۰، ح۱۵۲۰طبرانی، (م۳۶۰ھ) المعجم الاوسط، (مصر، قاہرہ، دارالحرمین، ط ۱۹۹۵ء) ج۵، ص۲۰۸

4۔کلینی، (م۳۲۹ھ) الکافی (تہران، دارالکتب، ط چہارم) ج۸، ص۳۱۱، ح۴۸۵

5۔بقرہ: ۱۷۴

6۔بقرہ:۴۱و۴۲

7۔طٰہٰ: ۲۴

8۔جوادی آملی: تفسیر تسنیم، ج۱

9۔شہید مطہری: آشنائی باقرآن، ص۲۸و۲۷، انتشارات صدرا، تہران

10۔www.hawzah.net/fa/article/articleview/2328

11۔ فضل بن حسن، طبرسی: مجمع البیان، المقدمہ، الفن الثالث، (لبنان، بیروت، دارالمعرفۃ) ص۸۰

12۔ نیشاپوری، حاکم: المستدرک علی الصحیحین (بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۰ء) ج۲، ص۱۳۴

13۔النحل: ۴۴

14۔آل عمران: ۷

15۔ نحل: ۴۳

16۔امام صادقؑ فرماتے ہیں: (نحن الراسخون فی العلم ونحن نعلم تاویلہ) یعنی: (ہم راسخون فی العلم ہیں اور ہم اس کی تاویل کو جانتے ہیں۔ (کلینی، الکافی، ج۱، ص ۲۱۳)

17۔ کلینی، (م۳۲۹ھ) الکافی، تہران، دارالکتب الاسلامیہ ،ط ۵، ج۱، ص۲۱۰ نیز تفسیر نورالثقلین میں سورہ نحل ۴۳ کی تفسیر کی طرف بھی رجوع کیجیے۔

18۔استرآبادی، محمد امین، الفوائد المدنیۃ (قم، جامعہ مدرسین، ۱۴۲۴ھ) ص۲۷۰

19۔ بحرانی، سید ہاشم، البرھان فی تفسیر القرآن (تہران، بنیاد بعثت، ۱۴۱۶ھ) ج۱، ص۸

20۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، (بیروت، دارالفکر، ۱۴۱۶ھ) ج۲، ص۴۷۷

21۔قرطبیؒ، ابو عبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، قاھرہ، دارالشعب) ج۱، ص ۳۳

22۔شاطبیؒ، ابراہیم: الموافقات فی الصول الفقہ (بیروت، دارالمعرفۃ) ج۳، ص۳۶۹

23۔ حر عاملی، وسائل الشیعہ، موسسہ آل البیت لاحیاء التراث، ط: اولی، جمادی الثانیۃ، ۱۴۰۹ھ) ج ۴، باب ۳، ح ۳ (یہ حدیث اصول کافی، ج ۲ اور طبرسی کی مجمع البیان کے مقدمے میں بھی کلمات کے کچھ فرق کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

24۔ حر عاملی، وسائل الشیعہ، موسسہ آل البیت لاحیاء التراث، ط: اولی، جمادی الثانیۃ، ۱۴۰۹ھ) ج ۲۷، ح ۱

25۔ سمرقندی، العیاشی، محمد بن مسعود: تفسیر عیاشی، تہران، مکتبہ علمیہ الاسلامیہ، ۱۳۸۱ھ، ج ۱، ص ۲، صدوق، محمد بن علی بن الحسین: (علل الشرایع، قم، کتاب فروشی داوری، ۱۳۸۵ھ) ص ۶۰۶ کلینی، محمد بن یعقوب: الکافی (تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۳ھ ش) ج ۴، ص ۵۴۹، ح ۴

26۔ یوسف: ۱۰۰

27۔ آملی، سید حیدر، تفسیر المحیط الاعظم والبحر الضخم فی تاویل کتاب اللہ العزیز المحکم (تہران، وزارت فرھنگ و ارشاد اسلامی، ۱۴۱۴ھ) ج ۱، ص ۲۳۲

28۔ فار، محمد بن حسن: بصائر الدرجات (قم، کتابخانہ آیۃ اللہ مرعشی، ۱۴۰۴ھ) ص ۱۹۶، ح ۷

29۔ محی الدین بن عربی: الفتوحات المکیۃ (قاہرہ، المجلس الاعلی للثقافۃ، ۱۴۰۵ھ) باب ۵۰، ج ۸۰، ص ۲۱۲

30۔ خمینی، امام، روح اللہ: آداب الصلاۃ، (مشہد، موسسہ چاپ وانتشارات استان قدس رضوی، ط دوم، ۱۳۶۶ھ ش) ص ۲۱۲

31۔ خمینی، امام، روح اللہ: آداب الصلاۃ، (مشہد، موسسہ چاپ وانتشارات استان قدس رضوی، ط دوم، ۱۳۶۶ھ ش) ص ۲۲۰

32۔ معنی تاویل عرفانی تطبیق کتاب تدوینی باکتاب آفاقی است۔ "تفسیر المحیط الاعظم، ج ۱، ص ۲۴۰

33۔ بنی اسرائیل: ۷۲

34۔ سورہ بقرہ: ۱۷۱

35۔ مائدہ: ۶۴

36۔ ہود: ۳۷

37۔ صفدی (م ۷۶۴)، الوافی بالوفیات، (لبنان، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۰ء) ج ۱۵، ص ۲۲۶ نیز متقی ہندی (م ۹۷۵) کنز العمال: (لبنان، بیروت، موسسہ الرسالۃ، ۱۹۸۹) ج ۱۲، ص ۲۱۷، ح ۳۴۷۴۴ نیز ابن عربی (م ۶۳۸ء) الفتوحات المکیۃ، (لبنان، بیروت، دار صادر) ج ۱، ص ۷۰۲

38۔ ابن اثیر کی عبارت یوں ہے: ھذا الکلام تمثیل و تخییل واصلہ ان الملک اذا صافح رجلا قبل الرجل یدہ فکان الحجر الاسود للہ بمنزلۃ الیمین للملک حیث یستلم و یلثم ابن اثیر (م ۶۰۶) النھایۃ فی غریب الحدیث (ایران، قم، موسسہ اسماعیلیان) ج ۵، ص

39۔ابن منظور کے الفاظ یہ ہیں: ای ان یدیه تبارك و تعالیٰ بصفة الکمال لانقص فی واحدة منهما لان الشمال تنقص عن الیمین وکل ماجاء فی القرآن والحدیث من اضافة الید و والایدی والیمین وغیر ذلك من اسماء الجوارح الی الله فانما هوعلی سبیل المجاز والاستعارة والله منزه عن التشبیه والتجسم

40۔سید مرتضی (م ۴۳۶) الامالی (ایران، قم، منشورات مکتبۃ آیۃ اللہ المرعشی، اول، ۱۹۰۷ء) ج ۲، ص ۲ نیز امام احمد (م ۲۴۱) مسند احمد (لبنان، بیروت، دار صادر) ج ۲، ص ۱۶۸ نیز نیشاپوری، مسلم: صحیح مسلم (لبنان، بیروت، دار الفکر) ج ۸، ص ۵۱ آخری دونوں کتابوں میں لفظ الرحمٰن کے بعد کقلب واحد لکھا ہے۔

41۔طبری (م ۳۶۰)، المعجم الکبیر (لبنان، بیروت، داراحیاء التراث العربی، دوئم، ۱۹۸۵) ج ۷، ص ۵۲ نیز متقی ہندی، کنز العمال (لبنان، بیروت، داراحیاء التراث العربی، دوئم، ۱۹۸۵ء) ج ۱۲، ص ۵۰، ح ۳۳۹۹۵۱

42۔المازندرانی، صالح: شرح اصول الکافی (لبنان، بیروت، داراحیاء والتراث العربی، ط اول، ۲۰۰۰ء) ج ۴، ص ۲۱۴

43۔عبدالعزیز بن باز: عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ تالیف محمد بن صالح العثیمین (ریاض، دار الوطن، ۱۴۱۴ھ) ص ۵

44۔ خمینی، امام، روح اللہ: آداب الصلاۃ، (مشہد، موسسہ چاپ وانتشارات استان قدس رضوی، ط دوم، ۱۳۶۶ھ ش) ص ۳۰۵

45۔ص آ: ۲۹

46۔محمد: ۲۴

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا تنقیدی جائزہ

تقی صادقی[1]
تلخیص وترجمہ: ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

یورپ میں Renaissance کے بعد جو جدید افکار یورپی انسان کے ذہنی افق پر طلوع ہوئے، ان میں سے ایک تفکر مشرق زمین کے دین، زبان، تاریخ اور ادبیات کے بارے مطالعات یا "استشراق" Orientalism تھا۔ البتہ استشراق کا مفہوم و ماہیت واضح نہیں ہے۔ حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا استشراق ایک علم ہے یا کوئی سیاسی چال۔ آیا یہ جغرافیا محور تحقیق ہے یا Metageographical مفہوم اور اس کے پس پردہ اغراض و مقاصد کیا ہیں۔

جہاں تک مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا تعلق ہے، تو ہم اس کا جائزہ تین مختلف ادوار میں لے سکتے ہیں۔ پہلا دور ساتویں سے تیرہویں صدی عیسوی پر محیط ہے۔ اس دور میں اسلامی تمدن کے مقابلے میں کمزور کلیسا کی طرف سے قرآن کریم کے چند مغرضانہ ترجمے کیے گئے جن کے سبب اسلام کو جھوٹ پر مبنی، آسائش طلب، خرافاتی اور تلوار کا دین بنا کر پیش کیا گیا۔ استشراقی مطالعات کا دوسرا تیرہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور صلیبی جنگوں کے بعد کلیسا طاقتور تھا اور اس نے یورپی معاشرہ میں اسلامی تعلیمات کے نفوذ کو روکنے کیلئے عربی زبان سیکھنے پر پابندی لگائی، قرآن کریم کے تراجم پر متعصبانہ دیباچے لکھوائے اور قرآنی آیات میں تناقضات ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی۔

استشراقی مطالعات کا تیسرا دور اٹھارہویں صدی سے موجودہ صدی پر محیط ہے۔ اس دور میں یورپ میں روشن خیالی، وجودی فلسفہ اور کثرت پرستی کے فلسفوں کے رواج کے سبب یورپی معاشرہ پر کلیسا کی اجارہ داری ختم ہوئی۔ یوں قرآنی مطالعات میں بھی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس دور میں استعمار جہاں جہاں گیا، وہاں یورپی محققین کو نزدیک سے اسلامی معاشرے کو دیکھنے اور قرآنی تعلیمات کو صحیح شکل و صورت میں پڑھنے کا موقعہ بھی ملا۔ بحث کا ماحول عالمانہ اور ماہرانہ تر ہوا، کئی ادارے کھلے اور ہزاروں کی تعداد میں اسلام و قرآن پر تالیفات سامنے آئیں۔

ا۔ استشراق کیا ہے؟

1 ۔ قونصلیٹ جنرل: ثقافتی قونصلیٹ، اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد

اٹھارہویں صدی کی آخری دہائیوں میں یورپ میں کئی جدید سیاسی مکتب اور مختلف نظریات ظہور پذیر ہوئے۔ یورپ میں Renaissance کے بعد عالمی سطح پر کئی مفاہیم، اصطلاحات اور تہذیبوں میں تبدیلیاں آئیں۔ یورپی انسان کے افکار کے افق پر جو نئے تفکرات طلوع ہوئے، ان میں سے ایک تفکر" استشراق" (مشرق شناسی) یا Orientalism تھا۔ استشراق کی تعریف میں یورپی لغت نویسوں نے لکھا ہے کہ:

" اورنٹیالزم (استشراق) اُن مطالعات کا نام ہے جو اہل یورپ، مشرق زمین کے دین، زبان، تاریخ اور ادبیات کے بارے میں انجام دیتے ہیں۔" (1)

لہٰذا جو شخص بھی عالمِ مشرق کے بارے میں کچھ لکھتا یا مطالعہ کرتا، اسے مستشرق کہا جاتا تھا۔ لیکن بہت جلد یورپی اور مشرقی نقادوں نے یہ کہا کہ اس اصطلاح میں ایک ایسی حقیقت پنہاں ہے جسے دانستہ یا نادانستہ طور پر اس اصطلاح کے وضع کرنے والے چھپا رہے ہیں۔ ان نقادوں کی نظر میں "استشراق" کی اس تعریف میں درج ذیل تین اشکالات پائے جاتے تھے۔ ان اشکالات کا خلاصہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

1) یہ امر واضح نہیں ہے کہ یورپی عالم مشرق کے بارے میں کس تاریخی دورہ کے مطالعہ کو "استشراق" قرار دیتے ہیں؟ آیا یورپیوں کا عالم مشرق کے بارے میں ہر عصر اور ہر قسم کا مطالعہ استشراق ہے یا کچھ خاص ادوار کا مطالعہ استشراق ہے؟

2) خود استشراق کا مفہوم ایک مبہم مفہوم ہے۔ یہ معین نہیں ہے کہ استشراق کی ماہیت کیا ہے؟ آیا یہ ایک سیاسی علم ہے یا کوئی مستقل علمی روش؟ اس سوال کا جواب بھی واضح نہیں ہے۔

3) استشراق کی جغرافیائی حدود کیا ہیں؟ وہ عالمِ مشرق جس کا مطالعہ یورپ کے مستشرقین کا ہدف ہے، اس کی جغرافیائی حدود کیا ہیں؟ یہ بھی واضح نہیں ہے۔ اور جہاں تک جغرافیائی مفاہیم کا تعلق ہے تو وہ بھی دگرگوں ہیں۔ خود یورپ کا لفظ ایک طویل عرصہ تک اس کرۂ ارض کے ان مناطق پر بھی بولا جاتا رہا ہے جو آج عالمِ مشرق کا حصہ شمار ہوتے ہیں۔ بہرصورت جغرافیائی اصطلاحات میں مشرق سے مراد ایشیا ہے لیکن استشراقی مطالعات میں ایشیاء اور افریقا میں کوئی فرق نہیں ڈالا جاتا۔

پس یہ واضح ہونا چاہیے کہ استشراقی مطالعات میں آیا عالمِ مشرق سے مراد فقط ایشیاء ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر ان مطالعات میں افریقا کیسے شامل ہو جاتا ہے؟ اس حوالے سے ایڈوارڈ سعید کا کہنا یہ ہے کہ استشراقی مطالعات میں ''مشرق'' کا مفہوم ایک Metageographical مفہوم ہے۔ اس کی نظر میں یہ مفہوم، در حقیقت جغرافیائی اور تہذیبی عناصر کا مرکب ہے۔ خلاصہ یہ کہ استشراق کا مفہوم، اپنے حدود اربعہ کے لحاظ سے بھی ایک مبہم مفہوم ہے۔" (2)

خلاصہ یہ کہ مستشرقین کے استشراقی مطالعات کی حدود و قیود واضح نہیں ہیں۔ نیز اگر یہ کہا جائے کہ مستشرقین کے مطالعات کی غرض و غایت آیا خالصتا علمی ریسرچ آیا، یا ان مطالعات کے پس پردہ سیاسی اغراض و مقاصد چھپے ہوئے ہیں، یہ بھی واضح نہیں ہے۔ لیکن یہاں ہمارے مقالے کا موضوع، مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا ایک تنقیدی جائزہ لینا ہے۔ درج ذیل مقالہ میں ہم اہل یورپ کے قرآن کے بارے میں مطالعات کا تین مختلف ادوار میں جائزہ لیں گے:

مستشرقین کے قرآنی مطالعات کا پہلا دور

یہ دور ساتویں صدی عیسوی میں مشرقی روم میں اسلامی فتوحات سے شروع ہوتا ہے اور تیرہویں صدی عیسوی میں صلیبی جنگوں کے اختتام پر ختم ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے اس دور میں مشرقی روم کی سلطنت پر قبضہ کیا اور وہاں دینی، لسانی اور معاشرتی تبدیلیاں ایجاد کیں۔ مسلمانوں نے اپنے ماتحتوں کو آزادی کی نعمت سے نوازا۔ مسلمان حکومتوں کے ماتحت، وہاں کے عوام کو اس قدر آزادی ملی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مناظرے کرتے اور یہاں تک کہ انہوں نے قرآن کے بارے میں کتابیں تالیف کیں۔ ان مناظروں کا بہترین نمونہ عربی اور سریانی زبانوں میں یوحنا دمشقی کے مناظرے ہیں۔ اسی طرح ابن کمونہ اور ابن میمون یہودی کے عربی آثار بھی اس حوالے سے قابل ذکر ہیں۔ بالخصوص عربی زبان میں ابن کمونہ کی تالیف ''تنقیح الابحاث عن الملل الثلاثة'' قابل ذکر ہے۔ (3) ابن کمونہ نے اپنی اس تالیف میں کوشش کی ہے کہ قرآن کریم اور انجیل میں نقائص نکال کر یہودیت کا دفاع کرے۔

مشرقی روم کے بعد مسلمانوں نے شمالی افریقا اور تھوڑے عرصہ بعد پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اٹلی اور اسپین کے علاقے فتح کیے اور انہوں نے اس علاقے (اندلس اور سیسیل) میں بھی بے نظیر آثار چھوڑے۔ مسلمانوں نے قرطبہ (کوردوبا) غرناطہ (گراناد) طلیطلہ (تولدو) اور صقلیہ (سیسیل) جیسے شہروں میں

مغربی اسلامی تمدن کی بنیاد رکھی۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے یہ شاہکار دیکھ کر یورپی ششدر رہ گئے اور ان کے پاس اسلامی تہذیب کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا۔

معروف یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے پہلی بار سمندر پار کیا اور اسپین پہنچے تو اُس پار کے لوگ ہر ہنر میں مسلمانوں کے مقابلے میں بہت پیچھے تھے۔ اور "پیرنہ" (اسپانیایی Pirineos) کی اقوام کا عالم بھی یہی تھا۔ اس دوران یورپ کی اقتصادی اور معاشرتی حالت بھی دگرگوں تھی۔ (4) معنوی اور سماجی لحاظ سے بھی یورپ کی حالت اُس کی اقتصادی حالت سے زیادہ بہتر نہ تھی۔ اندلس کی فتح کے بعد یورپ نے اپنے سامنے علم و تمدن کا ایک نیا دریچہ کھلا دیکھا۔ اسلامی تمدن کی قدرت اور شکوہ کے یہ مظاہر دیکھ کر اہل یورپ نے اس تمدن کی امتیازی خصوصیات کے عوامل کی تلاش کے درپے ہوئے (اور ان کی یہی کوشش، ایک لحاظ سے استشراق کی اساس بنی) اس حوالے سے جو عمدہ اقدامات اٹھائے گئے وہ درج ذیل ہیں:

1) یورپی نوجونواں کی علم کے حصول کیلئے اسلامی اور بالخصوص اندلس کی سرزمین کی طرف ہجرت۔
2) مسلمان ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی برقراری۔ مثال کے طور پر رشید اور شارلمان کی حکومتوں کے درمیان تعلقات قائم ہونا۔
3) باقاعدہ طور پر ان مراکز میں تعلیم کے حصول کیلئے ٹیمیں بھیجنا۔
4) یورپ میں عربی یونیورٹیوں کی طرز کے تعلیمی ادارے قائم کرنا۔
5) مسلمان اساتذہ اور دانشوروں کو استاد کی حیثیت سے یورپ کی یونیورسٹیوں میں قبول کرنا۔
6) اسلامی تہذیب کو لاتینی زبان میں جو کہ اس وقت کی علمی زبان تھی، منتقل کرنا۔ (5)

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب یورپ میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا، وہاں کے بیمار کلیسا کا رویہ اور راستہ کچھ متفاوت ہی تھا۔ کلیسا نے یہاں دو اہم فیصلے کیے: ایک یہ کہ اندلس اور مراکش کے دینی اسلامی مراکز میں کچھ راہب اور دینی علوم کے طالبعلم بھیجے جن کا ہدف اس غرض و غایت سے عربی اسلامی علوم سیکھنا تھا کہ اسلامی تعلیمات میں نقائص ڈھونڈے جا سکیں اور اسلامی تعلیمات کے حوالے سے شکوک و شبہات اٹھائے جا سکیں۔ کلیسا نے دوسرا بڑا کام یہ انجام دیا کہ اس نے اسلامی تعلیم کے مدارس کھولے تاکہ ان میں جوانوں کو اسلام کے حوالے سے غلط تعلیم دی جا سکے۔ نیز اُن لوگوں کا راستہ روکا جا سکے جو اسلامی علوم کی تحصیل کی غرض سے عربی اسلامی ممالک کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ (6)

اس کے علاوہ کلیسا نے جو اہم کام انجام دیا، وہ یہ تھا کہ جب طلیطلہ (تولدو) مسلمانوں سے واپس لیا گیا تو اسلامی علوم، فلسفہ، ادبیات، فلکیات، طب ... وغیرہ کے لاتینی زبان میں ترجمے کیے گئے۔ پیر کلیسا کلونی (Cluny) نے اسلامی تعلیمات کا مقابلہ کرنے کیلئے Toledan Collectio نامی ایک ایسا مجموعہ فراہم کیا جس میں اس کے زعم میں اسلام کی ردّ میں گوناگوں مطالب مرتب کیے گئے تھے۔ کلیسا میں قرآن کریم کے جو ترجمے ہوئے، ان میں سے ایک اہم ترجمہ Robertus Ketenensisاور Herman Dalmatin کا ترجمہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس سے پہلے اسلامی سائنسی علوم کا ترجمہ کیا۔ قرآن کریم کا یہ ترجمہ کئی مشرقی اور مغربی محققین کی گواہی کے مطابق ایک غیر علمی اور متعصبانہ ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کے مقدمے میں ترجمے کا ہدف بھی اسلام کے خلاف تبلیغ بتایا گیا ہے۔

بلاشر (Régis Blachère) کے بقول یہ ترجمہ پانچ صدیوں تک مسیحیت اور اسلام کے درمیان بیہودہ مشاجرات کا سبب بنا رہا۔ یہاں تک کہ Renaissance کے عصر میں بھی اسی ترجمہ پر اکتفاء کیا گیا۔ (7) کلیسا کے اس پیرِ معزّز (Peter the Venerable) کی تصنیفات میں سے ایک تصنیف، "کفار کی تمام بدعت کے بارے میں" ہے۔ یہ تصنیف اسلامی تعلیمات کی ایک مختصر شرح ہے۔ یاد رہے اس تصنیف میں پیرِ کلیسا نے مسلمانوں کو کفار کا نام دیا ہے۔ اُس کی ایک اور نگارش "کفار (مسلمان) اور اُن کی کفر گوئیوں کے خلاف" ہے۔ اس کتاب میں اسلام کا قدرے تفصیلی رد پیش کیا گیا ہے۔ (8) اسلام اور قرآن کریم کے حوالے سے کلیسا کی جن تالیفات میں کسی منطقی، عقلی قانون کا خیال نہیں رکھا گیا، اُن میں بطور کلی اسلام کا تعارف کچھ یوں پیش کیا گیا ہے:

☆۔ اسلام تلوار کا دین ہے۔ اس حوالے سے پیٹر آلفونسی (Petrus Alphonsi) (وفات: ۱۱۱۰) کا خیال یہ تھا کہ تاراج، قیدی بنانا، خدا اور رسول کے دشمنوں کو تہہ تیغ کرنا اور ہر ممکنہ طریقے سے انہیں اذیت و آزار دینا، اسلامی شریعت کے احکام میں سے ہے۔ (9)

☆۔ اسلام جھوٹ پر مبنی، افسانوی اور خرافاتی دین ہے؛ کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مسلمان تیس خداؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ انسانوں کا گوشت کھاتے ہیں اور یہ یہودی مسیحی بدعت گذار ہیں جنہوں نے اپنی کتاب، دیگر منابع سے کانٹ چھانٹ کر مرتب کر لی ہے۔ (10)

☆۔ اسلام تن آسانی کا دین ہے۔ اسلام رفاہ اور تجمل کا دین ہے۔ اسلام کے بارے میں اہل یورپ کے قرون وسطائی تصورات کا ایک اور عنصر یہ ہے کہ ان کے مطابق اسلام نامحدود جنسی بہرہ گیری کا قائل

ہے۔ ڈبلیو۔ ایم۔ واٹ (W.M.Watt) کے نکتہ نظر سے اسلام کے بارے میں یہ غلط تصور، در حقیقت مستشرقین کے قرآن سے نادرست ترجموں کی وجہ سے وجود میں آیا۔ ان غلط ترجموں کے سبب بعض نے یہ دعوی کیا کہ انہی ایک ایسی آیت بھی ملی ہے جو زنا کو جائز قرار دیتی ہے۔ ان کے مطابق جنسی لذت کا عروج، قرآن میں بہشت کی پیش کردہ تصویر میں ملتا ہے۔ البتہ واٹ کلیسا کی اس بہتان تراشی پر غصہ ہوتے ہوئے اس دعوی کو وقیحانہ قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "اگرچہ یہ تصویریں قرآن میں پائی جاتی ہیں، لیکن قرآن کے مطابق بالاترین لذت "لقاء اللہ" کی لذت ہے۔ (11)

☆۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے بارے میں کہا گیا کہ نعوذ باللہ آپ عیسائیت مخالف وہی شخصیت ہیں جن کے بارے میں مسیحیت کی تعلیمات میں پیشین گوئی کی گئی ہے۔ بقول واٹ جو کچھ اس دور میں اسلام کے بارے میں کہا گیا ہے اس میں کوئی علمی ٹھوس بنیاد نہیں بلکہ عاطفی اور نفسیاتی دلیلیں بیان کی گئی ہیں۔ در اصل مسیحیت، اسلام کے حوالے سے اپنے اندر احساس کمتری اور حقارت میں مبتلا تھی۔ اور ایسی ناروا تہمتوں کے ذریعے اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح اپنا عقدہ خالی کر لے۔ اور جب کلیسا اوضاع احوال میں یوں کوئی تبدیلی نہ لا سکا تو اس نے صلیبی جنگوں کا آغاز کیا۔

استشراقی مطالعات کا دوسرا دور

استشراقی مطالعات کا دوسرا (تیرہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک) در اصل صلیبی جنگوں میں عیسائیوں کی شکست اور بعض یورپی ممالک میں مسلمانوں کی جزوی شکست اور ان کے اسپین سے خروج سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور کی چند عمدہ خصوصیات درج ذیل ہیں:

1) قابل نفرت اور کمزور کلیسا اب قوت اور توانمندی کا احساس کر رہا تھا۔ کلیسا کی کوشش یہ تھی کہ اسلام کے گرویدہ یورپیوں کی اسلام کی طرف توجہ کو عیسائیت کی طرف مبذول کر دے۔ اس نے عربی زبان و ثقافت کی طرف تمایل کا سختی سے نوٹس لیا۔ لہذا اسپانیا سے مسلمانوں کے نکل جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ حکم صادر کیا گیا کہ کوئی شخص عربی لکھے، نہ عربی بولے۔ یوں انہوں نے قرآن کی زبان یعنی عربی زبان کو حذف کر دیا۔

2) قرآن کریم کے متن کی چھپوائی پر پابندی لگا دی گئی اور ایک ایسا ترجمہ چھاپا گیا جو مغرضانہ اور لوگوں کے ذہن میں غلط تاثیر چھوڑتا تھا۔

3) کلیسا نے اسلام کے بارے میں مغربی دانشوروں کی تالیفات پر بھی کڑی نظر رکھی اور ان میں موجود کئی معلومات سانسور کر دی جاتیں۔ یہاں تک کہ قرآن کی طباعت کیلئے اُس پر Andre duryer اور George Sale کی مانند، ایک ہانت آمیز مقدمہ لکھنا ضروری تھا۔

4) کلیسا کے ان اقدامات کے نتیجے میں قرآن کریم کے کئی ناقص ترجمے اور بعض آیات کی ناقص تفاسیر لکھی گئیں اور مسیحیت کے حق میں قرآن کی آیات کی تفسیر کی گئی۔ نیز قرآنی تعلیمات کے بارے میں شکوک و شبہات ایجاد کرنا اور قرآن کے تناقضات کی بحث اور بعض آیات (مثلا "یا اخت هارون") کے بارے میں شبہات اور قرآنی تناقضات کو ثابت کرنے کیلئے قرائات کے تعدد اور قرآنی نسخوں کے تعدد کو بہانہ بنایا گیا۔ ذیل میں قرآن کریم کے بارے میں استشراقی مطالعات کے نتیجے میں چھپنے والی بعض تالیفات کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

1. Ricoldo da Monte Cruce (1320 م.) کی تالیفات "مسلمانوں اور قرآن کے خلاف جنگ"، "محمد کے قرآن کے خلاف" اور "قرآن پر ردّ" جیسی کتابیں اسی دور میں لکھی گئیں۔ ان کتابوں میں مصنف نے اسلام کے خلاف وہی اعتراضات اٹھائے جو عیسائیت نے اسلام اور قرآن کے خلاف اٹھائے تھے۔ ہاں اُس میں اس نے کچھ مزید اعتراضات کا اضافہ بھی کر دیا گیا۔

2. (RamÓn Martí (1230 1284 کی تالیفات "ایمان کا خنجر"، "قرآن کے خلاف ایک سورہ"، "قرآن کے خلاف ایک کتابچہ" اور "یہودیوں کی لگام"۔ یہ کتابیں کئی صدیوں اسلام اور یہودیت کے خلاف عیسائی فقہاء کے مجادلات کا ایک عالی نمونہ شمار ہوتی رہیں۔

3. ((John of Segovia ۱۴۵۹) کا چودھویں صدی کے اختتام پر قرآن کا ترجمہ اور اس کی کتاب "روح کی شمشیر سے مسلمانوں پر وار" جیسی کتابیں بھی قابل ذکر ہیں۔ اس شخص کے پاس اسلام کی مخالفت میں اسلام کے خلاف لکھنے سے بہتر کوئی اور ہتھیار نہیں تھا۔

4. (Theodor Bibliander ۱۵۰۴) کے قرآن کریم کے لاتینی ترجموں پر مقدمے اور ضمیمے جن کے عناوین "بدعت گذاروں اور مسلمانوں یا بنی اسماعیل کی اولاد کا مختصر جواب"، "محمّد کا مکتب"، "محمد

کی میلاد اور پرورش گاہ" اور "مسلمانوں کی معیوب اور مضحکہ خیز خبریں" جیسی تالیفات اسی دور کی تالیفات کا ایک نمونہ ہیں۔

5.) Dominicus Germanus ۱۵۸۸) کی تالیف "قرآن کریم کا ترجمہ اور اس پر نقد" اس دور کے مستشرقانہ مطالعات کا ایک اور نمونہ ہے۔

6. Ludovico Marracci کا اٹلی زبان میں قرآن کریم کا غیر منطقی ترجمہ، نیز اُس کی کتاب "اسلام کے بارے میں ایک تحقیق" بھی اسی دور کی تالیفات میں سے شمار ہوتے ہیں۔

7. George Sale کا "محمد کا قرآن" نام سے قرآن کریم کا ترجمہ بھی اس دور کے استشراقی مطالعات کا ماحصل ہے۔ اس ترجمہ کے کم از کم ۱۲۰ ایڈیشن چھپ چکے ہیں؛ حالانکہ اُس نے اِس ترجمے میں آپؐ پر یہ الزام تراشی کی ہے کہ آپؐ نے لوگوں پر ایک ساختگی دین ٹھونسا۔ نیز اس کا کہنا ہے کہ قرآن کا ایک نہیں بلکہ گوناگوں نسخے ہیں جو مضامین کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ وہ اس بات کا بھی قائل ہے کہ قرآن دیگر آسمانی کتابوں کا مقروض ہے اور وہ تدریجی وحی پر بھی یقین نہیں رکھتا۔

خلاصہ یہ کہ اس دور میں مستشرقین کے قرآنی مطالعات میں کلی طور پر قرآن کریم کی بابت ان کا رویہ مغرضانہ ہے۔ البتہ اس امر سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ اس دور کی آخری صدیوں میں Martin Luther کی اصلاح طلبی کی تحریک اور عقل پرستی کی پیدائش نے یورپ کے کئی علاقوں میں ایک متفاوت فضا ایجاد کی۔ لہٰذا پہلی بار مارٹن لتھر کے تعاون سے قرآن کریم کا عربی متن چھپ سکا۔(12) نیز اسی تحریک کے تحت قرآن کریم کے بارے میں کچھ منصفانہ تصنیفات بھی منظر عام پر آئیں اور Riland کی کتاب "محمدی دیانت کے بارے میں" بھی چھپ کر منظر عام پر آئی۔(13)

استشراقی مطالعات کا تیسرا دور

استشراقی مطالعات کا تیسرا دور اٹھارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے اور موجودہ صدی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں بعض ایسے حوادث رونما ہوئے کہ جن کے سبب یورپ میں دینی مطالعات اور

بالخصوص اسلام کے بارے میں مطالعات میں ایک نمایاں تبدیلی آئی۔ اس دور میں استشراق کے مفہوم جن اسباب کے سبب تبدیلیاں آئیں وہ درج ذیل ہیں:

1. روشن خیالی کی تحریک: (Enlightment) اس تحریک میں اس بات پر خاصا زور دیا گیا کہ تمام عقائد اور علوم میں عقلی تاملات کا عنصر شامل کیا جائے۔
2. وجودی فلسفہ: (Positivism) دین داروں کے مقابلے میں علم مداروں کی کامیابی کے بعد ایک نعرہ یہ سامنے آیا کہ معرفت اور شناخت کا تنہا منبع اور سرچشمہ، حس اور تجربہ ہے۔ وجودیت کے اس فلسفے کے مطابق حقائق ہستی فقط وہی تھے جو انسانی حواس کی دسترس میں آسکیں۔ یورپ میں اس فلسفے کے رواج کا ایک اثر یہ ہوا کہ یورپی معاشرے پر حاکم عیسائیت کی تعلیمات کی اجارہ داری ختم ہوئی اور مقدس متون کے نقادانہ مطالعہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی طرح تاریخی مطالعہ میں بھی حدس و گمان پر مبنی دعووں کی گنجائش باقی نہ رہی۔ بے دلیل دعووں کا راستہ بند ہوا اور تاریخی مطالعات کی تنہا دلیل، تاریخی منابع قرار پائے۔
3. کثرت پرستی: (Pluralism) اس مکتب کا اساسی نعرہ، مطلق حقیقت کی نفی تھا۔ اس کے مطابق دنیا میں کوئی یکتا و تنہا حقیقت اور واحد دینِ نہیں پایا جاتا۔ سب ادیان و مذاہب، حقیقت کے مختلف بیان ہیں۔ یورپ میں اس مکتب کے وجود میں آنے سے گونا گوں ادیان و مذاہب کے مطالعہ کا دروازہ کھل گیا۔
4. قوم پرستی: (Nationalism) یورپ میں وطن اور قوم پرستی کی لہریں چلیں۔ اس تحریک کے نتیجے میں یورپ نے اپنی زبان و ثقافت کو اہمیت دی اور دیگر زبانوں میں موجود لٹریچر کا بھی ترجمہ قومی زبانوں میں ہونے لگا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کریم کے پرانے ترجموں کو نظرانداز کرتے ہوئے جدید تراجم منظر عام پر آئے اور یوں پوریپوں کو قرآن کے متن سے مستقیم استفادہ کرنے کا موقعہ ملا۔

5. استعمار: انیسویں صدی بوڑھے استعمار کے عروج کا دور ہے۔ اس دور میں کئی مسلمان علاقے استعماری طاقتوں کے زیر تسلط چلے گئے۔ لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ یہ دور محققین کے لیے حقیقی اور عینی شناخت کا امکان ساتھ لے کر آیا۔ استعمار، جہاں جہاں گیا، وہاں اس کے محققین کو یہ موقعہ ملا کہ مسلمانوں کی تہذیب اور اسلامی تعلیمات کا قریب سے مطالعہ کریں۔ البتہ استعماری مزاج نے بعض محققین کی آنکھیں بھی بند رکھیں اور وہ غرور و نخوت کی عینک اتار کر حقائق نہ دیکھ سکے۔

مذکورہ بالا مکاتب کے ساتھ دیگر جن مکاتب کا اضافہ کیا جا سکتا ہے، ان میں سکولاریزم، ہرمنوٹک، اور تطبیقی مطالعات وغیرہ ہیں۔ مذکورہ بالا مکاتب نے اپنے تمام تر نقائص کے باوجود یورپی ذہن پر افکار کے نئے دریچے کھولے۔ البتہ نتائج ہمیشہ مثبت اور پسندیدہ نہ تھے، بلکہ ایک طرف سے عیسائی مشنری مذاہب کا حضور اور جدید فرقوں کی فعالیت اور دوسری طرف عالم اسلام کا ضعف اور مغرب پرستی موجب بنی کہ لوگوں کا ایمان کمزور پڑ جائے اور دین و ایمان کی بابت نت نئے شبہات معرض وجود میں آئیں۔

بہر صورت، کلی طور پر سابقہ ادوار کی نسبت استشراقی مطالعات کے تیسرے دور میں رجحان بہتر رہا اور اس دور کی درخشانی ابھی باقی ہے۔ اس دور کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں یورپیوں کے ہمراہ مسلمانوں کو بھی استشراق کے عمل میں شراکت دی گئی۔ نیز بحث کا ماحول بھی عالمانہ اور ماہرانہ تر ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب خود اہل یورپ نے بھی اپنے استشراقی مطالعات اور تالیفات کا تنقیدی جائزہ لیا۔ اس سے قبل کہ مسلمان مصنفین اہل یورپ کی تصنیفات پر نقد و تبصرہ کرتے، خود مستشرقین نے اپنے خلاف نقادانہ تبصرے لکھے۔(14) جس چیز نے اس رجحان کو تقویت بخشی وہ استشراق کے انسٹیٹیوٹ کا قیام تھا۔ ذیل میں ہم ان امور کا جائزہ لیں گے جن کے سبب مستشرقانہ مطالعات کو وسعت ملی۔

استشراقی مطالعات میں وسعت

استشراقی مطالعات کے تیسرے دور میں جن عوامل کے سبب پوری دنیا میں ان مطالعات کو وسعت اور تقویت ملی وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ دنیا کے مختلف مناطق اور ممالک میں استشراق کے موضوع پر سیمینارز اور پروگرامز منعقد ہوئے۔ یہ پروگرامز جن پر ایک خاص نظم حاکم تھا، ان میں تحقیقی مواد پیش کیا جاتا اور مختلف موضوعات پر یورپی دانشوروں کے ساتھ ساتھ مسلمان دانشوروں سے بھی استفادہ کیا جاتا۔ یہ نشستیں ۱۹۰۶ میں قاہرہ میں،

۱۹۱۰ میں ایڈنبرگ میں، ۱۹۲۲ میں بیت المقدس میں، ۱۹۶۴ میں ماسکو میں، ۱۹۱۱ میں لکھنو میں اور ۱۹۶۴ میں روم میں منعقد ہوئیں۔ بعض سیمینارز اور نشستوں میں بعض مسلمانوں کی تحقیقات بھی پیش کی گئیں۔

مثال کے طور پر 1986 میں جرمنی میں انجینئر بازرگان کی تحقیق "قرآنی سورتوں اور آیات کے نزول کی ترتیب" پیش کی گئی اور باوجود اس کے کہ مستشرقین بازرگان کا ریاضی کا نظریہ نہ سمجھ پائے، انہوں نے اس کی تحقیق کو پذیرائی دی۔(15) اس حوالے سے آخری نشست میں قرآن کریم کی تفسیر کی تاریخ کے مختلف زاویوں پر پیش کیے جانے والے مقالات کا مجموعہ ایک جلد میں "اکیسویں صدی کے آغاز میں تفسیری مطالعات" کے نام سے چھپ کر سامنے آیا۔(16)

۲۔ مشرق شناسی کے ہر انسٹیٹیوٹ نے کم و بیش کوئی نہ کوئی مجلّہ نکالا۔ ان مجلات میں سے بعض مجلے تو کئی صدیوں سے چھپ رہے ہیں۔ آج تین سو سے زائد عناوین پر یہ مجلات چھپ رہے ہیں جن میں شرق شناسی سے مربوط مسائل پر جدید ترین تحقیقات، مقالات کی صورت میں چھپ رہی ہیں۔(17)

۳۔ آج یورپ میں شاید ہی کوئی ایسا دارالحکومت ہو جہاں مشرق شناسی کا کوئی مرکز، کوئی اکیڈمی یا کوئی کرسی موجود نہ ہو۔ حتی کہ یورپ کے ان اداروں کے شعبہ جات مسلمان ممالک میں بھی موجود ہیں۔ ان مراکز میں یورپی اور مسلمان نوجوانوں کو استشراقی تعلیمات دی جاتی ہیں۔ بعض روشن خیال مسلمان مفکرین بھی انہی مراکز سے فارغ التحصیل ہیں۔

۴۔ آج بھی یورپ کے کئی ناشریں کا عمدہ کام اسلامی اور قرآنی موضوعات پر مواد کی اشاعت ہے۔ ان نشریاتی اداروں سے چھپنے والی کتابوں کی تعداد، مسلمان ممالک میں چھپنے والی کتابوں کی تعداد سے کم نہیں ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں ان مراکز سے ۱۸۰۰ عیسوی سے لے کر ۱۹۵۰ عیسوی کے درمیان ساٹھ ہزار کتابیں چھپ چکی ہے۔ نیز ان مراکز سے اسلام اور قرآن کے بارے میں ۱۹۰۶ سے ۱۹۶۵ کے درمیان ۴۱۴۷۰ مقالات چھپ چکے ہیں۔([18]) اس حوالے سے مستشرقین کی تالیفات کی تفصیل جاننے کیلئے Index Islamicus کا مطالعہ فرمایئے۔

جاری ہے--------

1۔ Oxford Dictionary, Oxford University Press, P. 18.

2۔شرق شناسی؛ادوارد سعید، ترجمہ عبدالرحیم گواہی، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، اول، ۱۳۷۷ش۔ ص ۳۶۔ مزید مطالعہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے: غرب زدگی، جلال آل احمد؛ مجلّہ مشکوۃ، شمارہ ۱۸و۱۹ "دیدگاھہای شفیعی کدکنی"۔

3۔دایرۃالمعارف بزرگ اسلامی؛زیر نظر کاظم موسوی، مرکز دایرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۰ش؛ج ۴، ص ۵۲۵

4۔برخورد آرای مسلمانان و مسیحیان؛ ویلیام مونٹگمری وات، ترجمہ محمد حسین آریا؛ دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۳، اول؛ ص ۷۔۱۴۔

5۔الفکر الاستشراقی؛تاریخہ و تقویمہ، محمد الدسوقی، قم، اول، ۱۴۱۶ق؛ صص ۲۸ تا ۳۰۔

6۔ایضا، ص ۳۴۔

7۔درآستانہ قرآن؛رژی بلاشر، ترجمہ محمود رامیار، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، اول، ۱۳۷۱، ش؛ ص ۲۹۳۔

8۔رویکرد خاورشناسان بہ قرآن و تحلیل آن؛ تقی صادقی، فرہنگ گستر؛ تہران، ۱۳۷۹؛ ص ۴۲۔

9۔برخورد آرای مسلمانان و مسیحیان؛ص ۱۴۴۔

10۔رویکرد خاورشناسان بہ قرآن و تحلیل آن؛ص ۳۹۔

11۔اسپانیای اسلامی۔

12۔مزید اطلاعات کیلئے ملاحظہ فرمایئے: مجلّہ ترجمان وحی؛ش اول، صص ۷۴ تا ۸۳۔

13۔موسوعۃ المستشرقین، عبدالرحمان بدوی؛ دارالعلم للملایین، بیروت، اول، ۱۹۸۴، ص ۱۹۱۔

14۔ان اعتراضات کے نمونے H.Motzki کی تالیفات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

15۔مجلّہ نشر دانش؛سال ۶، ش ۱، صص ۷۲ و ۷۳۔

16۔اس نشست کی تفصیلات کیلئے دیکھیے:

. Approaches to the history of the interpretation of Quran; A. Rippin

17۔آراء المستشرقین حول القرآن و تفسیر؛ عمر بن ابراہیم رضوان، دار الطیبہ، ریاض، بی تا ص ۵۳۔

18۔رسالۃ القرآن، ش ۱۱، ۱۴۱۳ق، ص ۱۸۱۔

حوالہ جات

عظمت اہل بیت علیہم السلام کی روشن ترین سند

سید رمیز الحسن موسوی *
srhm2000@yahoo.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنی اُمت کی ہدایت و راہنمائی کے لیے دو گرانقدر چیزوں کو چھوڑ گئے۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے آپؐ کے اہل بیت اطہارؑ ہیں۔ جو ان کے ساتھ تمسک رکھے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا۔ قرآن وہ سرچشمہ ہدایت ہے، جو ہر دور کے تشنگان حق کو ان کے ظرف و اہلیت کے مطابق سیراب کرتا ہے۔ اس کی راہنمائی ایسی جامع، ہمہ گیر اور مکمل ہے کہ اگر اس کا آب زلال اس کے حقیقی سرچشمہ سے حاصل کیا جائے تو پھر کسی اور قطرہ آب کی ہرگز احتیاج باقی نہیں رہتی۔ اس مقالے میں علوم قرآن کو مختصر اور جامع انداز میں اہل بیتؑ کی زبانی پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

نہج البلاغہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام علوم قرآن کو مختصر مگر جامع انداز میں یوں پیش کرتے ہیں: آپؑ نے تمہارے درمیان تمہارے پروردگار کی کتاب (قرآن کریم) کو چھوڑا ہے، جس کے حلال و حرام، فرائض و فضائل، ناسخ و منسوخ، رخصت و عزیمت، خاص و عام، عبرت و امثال، مطلق و مقید، محکم و متشابہ سب کو واضح کر دیا تھا۔ مجمل کی تفسیر کر دی تھی، گتھیوں کو سلجھا دیا تھا۔ اس میں بعض آیات ہیں جن کے علم کا عہد لیا گیا ہے اور بعض سے ناواقفیت کو معاف کر دیا گیا ہے۔ بعض احکام کے فرض کا کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اور سنت سے ان کے منسوخ ہونے کا علم حاصل ہوا ہے۔ یا سنت میں ان کے وجوب کا ذکر ہوا ہے۔ جب کہ کتاب میں ترک کرنے کی آزادی کا ذکر تھا۔ بعض احکام ایک وقت میں واجب ہوئے ہیں اور مستقبل میں ختم کر دئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے محرمات میں بھی تفریق ہے کچھ کبیرہ ہیں جن کے لیے آتش جہنم کی دھمکیاں ہیں، کچھ صغیرہ ہیں جن کے لیے مغفرت کے توقعات پیدا کئے ہیں۔

کچھ اعمال ایسے ہیں، جن کا مختصر بھی قابل قبول اور زیادہ کی بھی گنجائش پائی جاتی ہے۔ امام علیؑ نے اپنے اس مختصر سے کلام میں علوم قرآن کے تقریباً تمام شعبوں کا تذکرہ کر دیا ہے۔ آج علوم قرآن کے ماہرین نے نہج البلاغہ کے اس خطبے میں ذکر شدہ مطالب کو علوم قرآن کی اہم اصطلاحات قرار دیا ہے۔ اس مقالے میں انہی قرآنی اصطلاحات کی خود قرآن کی روشنی میں وضاحت کی جائے گی۔

*۔ اسسٹنٹ پروفیسر وفاقی نظامت تعلیمات، اسلام آباد

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی ہدایت کے لیے اپنی طرف سے کتابیں اور صحائف وقتاً فوقتاً نازل کرتا رہا۔ یہ رشد ہدایت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اختتام پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے آپ (ص) پر قرآن کریم نازل کیا، جو عربی زبان میں ہے۔ آپ (ص) لوگوں کو تاریکی اور گمراہی سے نکال کر نور اور ہدایت کی طرف لے آئے۔ آپ (ص) اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنی اُمت کی ہدایت و راہنمائی کے لیے دو گرانقدر چیزوں کو چھوڑ گئے۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب جو قرآن کریم ہے اور دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہارؑ ہیں۔ یہ دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ جو ان کے ساتھ تمسک رکھے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہو گا۔ قرآن وہ سرچشمہ ہدایت ہے، جو ہر دور کے تشنگان حق کو ان کے ظرف واہلیت کے مطابق سیراب کرتا ہے۔

انسانوں کو ہر قدم اور ہر موڑ پر اسرار الٰہی اور ہدایت کی ضرورت ہے۔ اس کی راہنمائی ایسی جامع، ہمہ گیر اور مکمل ہے کہ اگر اس کا آب زلال اس کے حقیقی سرچشمہ سے حاصل کیا جائے تو پھر کسی اور قطرہ آب کی ہر گز احتیاج باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا میں نے اپنی رشد و ہدایت کے لیے ضروری سمجھا کہ علوم قرآن کو مختصر اور جامع انداز میں اہل بیتؑ کی زبانی پیش کروں تو، میں نے نہج البلاغہ کا انتخاب کیا، جس میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جو علوم القرآن اور احکام القرآن کا مختصر تعارف کرایا ہے اس کو پیش کروں۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے قرآن کریم کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

"تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَاِنَّه اَحْسَنُ الْحَدِيْثِ وَ تَفَقَّهُوا فِيهِ فَاِنَّهُ رَبِيعُ الْقُلُوبِ وَاسْتَشْفِعُوا بِنُورِهِ فَاِنَّهُ شِفَآءُ الصُّدُورِ وَ اَحْسِنُوا تِلَاوَتَهُ فَاِنَّه اَحْسَنُ الْقَصَصِ" (1)

یعنی: "قرآن کا علم حاصل کرو کہ وہ بہترین کلام ہے۔ اس میں غور و فکر کرو کہ یہ دلوں کی بہار ہے۔ اس کے نور سے شفاء حاصل کرو کہ یہ سینوں میں چھپی ہوئی بیماریوں کے لیے شفا ہے اس کی بہترین تلاوت کرو کہ اس کے قصے زیادہ فائدہ مند ہیں۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"وَعَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللهِ فَاِنَّهُ الْحَبْلُ الْمَتِينُ وَالنُّورُ الْمُبِينُ وَالشِّفَآءُ النَّافِعِ وَ الرِّيُّ النَّاقِعُ وَالعِصْمَةُ لِلْمُتَمَسِّكِ وَالنَّجَاةُ لِلْمُتَعَلِّقِ" (2)

یعنی: ”تم اپنے رب کی کتاب پر عمل کرو، وہ ایک مضبوط رسی ہے، ایک روشن نور ہے، ایک نفع بخش شفاء ہے، ایک پیاس بجھانے والی سیرابی ہے، اس سے متمسک رہنے والوں کے لیے سامان حفاظت ہے، اور وابستہ رہنے والوں کے لیے نجات ہے۔“

امیر المومنین علی علیہ السلام علوم قرآن کو مختصر مگر جامع انداز میں یوں پیش کرتے ہیں:

”كِتَابَ رَبِّكُمْ فِيكُمْ، مُبَيِّناً حَلاَلَهُ وَحَرَامَهُ، وَفَرَائِضَهُ وَفَضَائِلَهُ، وَنَاسِخَهُ وَمَنْسُوخَهُ، وَرُخَصَهُ وَعَزَائِمَهُ، وَخَاصَّهُ وَعَامَّهُ، وَعِبَرَهُ وَأَمْثَالَهُ، وَمُرْسَلَهُ وَمَحْدُودَهُ، وَمُحْكَمَهُ وَمُتَشَابِهَهُ۔ مُفَسِّراً مُجْمَلَهُ، وَمُبَيِّناً غَوَامِضَهُ، بَيْنَ مَأْخُوذٍ مِيثَاقُ فِي عِلْمِهِ، وَمُوَسَّعٍ عَلَى الْعِبَادِ فِي جَهْلِهِ، وَبَيْنَ مُثْبَتٍ فِي الْكِتَابِ فَرْضُهُ، وَمَعْلُومٍ فِي السُّنَّةِ نَسْخُهُ، وَوَاجِبٍ فِي السُّنَّةِ أَخْذُهُ، وَمُرَخَّصٍ فِي الْكِتَابِ تَرْكُهُ، وَبَيْنَ وَاجِبٍ بِوَقْتِهِ، وَزَائِلٍ فِي مُسْتَقْبَلِهِ، وَمُبَايَنٌ بَيْنَ مَحَارِمِهِ: مِنْ كَبِيرٍ أَوْعَدَ عَلَيْهِ نِيرَانَهُ، أَوْ صَغِيرٍ أَوْصَدَ لَهُ غُفْرَانَهُ، وَبَيْنَ مَقْبُولٍ فِي أَدْنَاهُ، مُوَسَّعٍ فِي أَقْصَاهُ“ (3)

یعنی: ”آپؐ نے تمہارے درمیان تمہارے پروردگار کی کتاب (قرآن کریم) کو چھوڑا ہے، جس کے حلال و حرام، فرائض و فضائل، ناسخ و منسوخ، رخصت و عزیمت، خاص و عام، عبرت و امثال، مطلق و مقید، محکم و متشابہ سب کو واضح کر دیا تھا۔ مجمل کی تفسیر کر دی تھی، گتھیوں کو سلجھا دیا تھا۔ اس میں بعض آیات ہیں جن کے علم کا عہد لیا گیا ہے اور بعض سے ناواقفیت کو معاف کر دیا گیا ہے۔ بعض احکام کے فرض کا کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اور سنت سے ان کے منسوخ ہونے کا علم حاصل ہوا ہے۔ یا سنت میں ان کے وجوب کا ذکر ہوا ہے۔ جب کہ کتاب میں ترک کرنے کی آزادی کا ذکر تھا۔ بعض احکام ایک وقت میں واجب ہوئے ہیں اور مستقبل میں ختم کر دئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے محرمات میں بھی تفریق ہے کچھ کبیرہ ہیں جن کے لیے آتش جہنم کی دھمکیاں ہیں، کچھ صغیرہ ہیں جن کے لیے مغفرت کے توقعات پیدا کئے ہیں۔ کچھ اعمال ایسے ہیں، جن کا مختصر بھی قابل قبول اور زیادہ کی بھی گنجائش پائی جاتی ہے۔“

تجزیہ

نہج البلاغہ کے اس خطبہ سے درج ذیل علوم القرآن کے اقسام واضح ہوتے ہیں:

۱۔ حلال وحرام

حلال: تمام وہ کام جن کو انجام دینا جائز ہے۔

حرام: تمام وہ کام جن کو انجام دینا حرام اور گناہ۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں اس قرآن کریم میں حلال کا ذکر بھی موجود ہے اور حرام کا بھی جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" (4)

یعنی: "اللہ تعالی نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔"

۲۔ فرائض وفضائل

فرائض: تمام وہ کام جن کو انجام دینا فرض ہے۔

فضائل: تمام وہ کام جن کو انجام دینا مستحب ہے۔

قرآن کریم میں فرائض بھی موجود ہیں اور فضائل یعنی مستحبات بھی ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں فرائض بھی موجود ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیر کا ذکر ہے۔ اسی طرح مستحبات کا بھی ذکر ہے،مثلاً" فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلاَةَ فَاذْكُرُواْ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ إِنَّ الصَّلاَةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا " یعنی: " اس کے بعد جب یہ نماز مکمل ہو جائے تو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہمیشہ اللہ کو یاد کرتے رہو اور جب اطمینان حاصل ہو جائے تو باقاعدہ نماز قائم کرو کیونکہ نماز مومنوں پر ایک مقررہ وقت پر فرض کی گئی ہے۔" (5)

اس آیت کریمہ سے یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ فرض نماز کے بعد اللہ تعالی کی یاد مستحبات میں شامل ہے لہٰذا اس آیت کریمہ میں فرائض اور مستحبات دونوں کا ذکر موجود ہے۔ ان دونوں میں احکام خمسہ کا ذکر موجود ہے کیونکہ پہلے شِق میں حلال جس میں مباح اور مکروہ بھی شامل ہے، دوسرے حرام کا حکم ہے۔ دوسرے شک میں فرائض کا اور مستحبات کا ذکر ہے اسی طرح ان دونوں شکوں میں پانچوں احکام جنہیں احکام خمسہ (یعنی فرائض، مستحبات، مباح، مکروہات اور حرام) کہا جاتا ہے اور یہی احکام ہیں جن پر فقہ اسلامی کا دار ومدار ہے۔

۳۔ ناسخ ومنسوخ

ناسخ و منسوخ: اس سے مراد وہ حکم ہے جو کسی ثابت حکم کو نص کے ذریعے بر طرف کر دے،.بر طرف کرنے والے حکم کو ناسخ کہتے ہیں اور.بر طرف ہونے والے کو منسوخ کہتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس قرآن کریم میں ناسخ اور منسوخ بھی موجود ہیں۔ ناسخ کی مثال درج ذیل آیت کریمہ میں موجود ہے:

" وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً فَإِذا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلا جُناحَ عَلَيْكُمْ فِيما فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللهُ بِما تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ" (6)

یعنی: " اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں، پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو دستور کے مطابق اپنے بارے میں جو فیصلہ کریں اس کا تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔"

منسوخ کی مثال

" وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِيَ أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ" (7)

یعنی: " اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، انہیں چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کے بارے میں وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک انہیں (نان و نفقہ سے) بہرمند رکھا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں، پس اگر وہ خود گھر نکل جائیں تو دستور کے دائرے میں رہ کر وہ اپنے لیے جو فیصلہ کرتی ہیں تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

۴۔ رخصت و عزیمت

رخص: رخص سے مراد وہ احکام ہیں جن کی مخالفت کی اجازت ہے اور انہیں ترک کر دینا جائز ہوتا ہے بشرطیکہ خاص حالات میں ایسی مخالفت کے اسباب موجود ہوں، جیسے مجبوری کی حالت میں مردار کے کھانے کی اجازت ہے۔

عزیمت: عزائم سے مراد وہ احکام ہیں جن کی مخالفت کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے، جیسے توحید اور دیگر اعتقادات کا اقرار وغیرہ۔

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس نے قرآن کریم کے رخص اور عزائم کو واضح کر دیا تھا۔

قرآن کریم کی رخصت مثال:

" إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (8)

یعنی: " اس نے تمہارے اوپر مردار، خون، سوئر کا گوشت اور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے، اس کو حرام قرار دیا ہے پھر بھی اگر کوئی مجبور و مضطر ہو جائے اور حرام کا طلبگار اور ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے والا نہ ہو تو اس کے لیے کوئی گناہ نہیں ہے۔

عزیمت کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے

" وَلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا" (9)

یعنی: "اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو شریک مت کرنا۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

" فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ" (10)

یعنی: " جان لو کہ اللہ تعالی کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔"

۵۔ خاص و عام

عام و خاص: عام سے مراد وہ لفظ اور موضوع ہے جو اپنے تمام اجزاء پر یا جزئیات پر یکساں بولا جائے، جبکہ خاص اس کے برعکس ہے۔ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس نے قرآن کریم کے عام و خاص کو بیان کیا ہے۔

عام کی مثال:

" وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ" (11)

یعنی: " نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔"

" وَاللّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ" (12)

خاص کی مثال:

" وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ" (13)

یعنی: " شہر کے ایک حصے سے ایک شخص آیا۔"

اسی ایک اور مقام پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

”یَا بَنِی إِسْرَائِیلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ“ (14)
یعنی: ”اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عنایت کی ہیں اور میں نے تمہیں عالمین پر فضیلت عطا کی ہے۔“

اس آیت میں لفظ عام ہے لیکن معنی خاص ہے اس لیے کہ انہیں صرف اپنے زمانے کے لوگوں پر بعض مخصوص چیزوں کی وجہ سے فضیلت حاصل تھی۔

۶۔ عبرت وامثال

عبرت: ایسی آیات جن سے انسانوں کو درس عبرت حاصل ہو۔

امثال: ایسی آیات جن میں انسانوں کو سمجھانے کے لیے مثالیں پیش کی گئ ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: کہ اس قرآن کریم میں عبر وامثال کا ذکر موجود ہے۔

لفظ عبر، عبرت کی جمع ہے، جو عبور سے لیا گیا ہے، جس کے لغوی معنی ہیں: جسم کا ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہونا۔ اس کا اصطلاحی معنی ہے: مختلف اسباب میں سے کسی ایک سبب کے ذریعے انسانی ذہن کا ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا۔ جیسے انسان کسی مصیبت اور غم زدہ انسان کو دیکھ کر فوراً اپنی طرف منتقل ہوتا ہے کہ ایسی مصیبتیں مجھ پر بھی نازل ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اس طرح اس انسان میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں فرعون کے انجام کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ کیونکر دنیا اور آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوا ہے۔ اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے عبرت ہے، جن کے دل میں خوف خدا ہے اور ان پر شقاوت، سنگدلی اور قساوت کے پردے نہیں پڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

”فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى“ (15)

یعنی: ”پس اللہ نے اسے دنیا اور آخرت دونوں کے عذاب میں گرفتار کر لیا۔“

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ تم لوگ بھی اسی فرعون کے عبرتناک واقعے اور اس کی عبرتناک سزا سے سبق سیکھو اور ایک ہی اللہ کے خالص بندے بن جائیں ورنہ تمہارا بھی انجام اس فرعون جیسا ہو گا۔ جس کے نتیجہ میں وہ انسان جن کے دلوں میں ذرا سا خوف خدا ہو گا تو وہ راہ راست پر آ جائیں گے اور اپنی بد اعمالیاں ترک کر دیں گے، کیونکہ انہوں اپنی آنکھوں کے سامنے اللہ کے ایک نافرمان ظالم اور جابر شخص کا انجام دیکھ لیا ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی صنعت اور قدرت کے آثار کو دیکھ کر ذہن میں صانع اور قادر کے وجود اور اس کی صفات کمال کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" يُقَلِّبُ اللهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ " (16)

یعنی: " اللہ ہی رات اور دن کو الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے اور یقیناً اس میں صاحبانِ بصیرت کے لئے سامان عبرت ہے۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ " (17)

یعنی: " اور تمہارے لیے حیوانات میں بھی عبرت کا سامان ہے کہ ہم ان کے شکم کے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں، جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔

ان تمام آیات میں عقل مند انسانوں کے لیے عبرت حاصل کرنے کے اسباب موجود ہیں۔ اسی طرح امثال کی بات ہے، قرآن کریم میں بہت سی آیات امثال ہیں، جیسا کہ سورۃ جمعہ میں ارشاد ہے:

" مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللهِ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ " (18)

یعنی: "ان لوگوں کی مثال جن پر توریت کا بار رکھا گیا اور وہ اسے اٹھا نہ سکے اس گدھے کی مثال ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔"

اسی طرح ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد فرماتا ہے:

" مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ وَاللّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ " (19)

یعنی: " جو اللہ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں ان کے عمل کی مثال اس دانہ کی ہے جس سے سات خوشے پیدا ہوں اور ہر خوشے میں سو سو دانے ہوں اللہ جس کے لیے چاہتا ہے دگنا بڑھا دیتا ہے اور اللہ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔"

۷۔ مرسل و محدود (مطلق و مقید)

مرسل سے مراد مطلق ہے جس کی تعریف علم الاصول میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔ مطلق ایسا لفظ جو عمومی طور پر اپنی جنس کے تمام افراد پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کے اللہ تعالی نے اس قرآن کریم میں مرسل و محدود یعنی مطلق اور مقید کو بیان کیا ہے۔ مطلق ایک ایسا لفظ ہے جو اپنی جنس کے تمام افراد پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد رب العالمین ہے:

" وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُواْ بَقَرَةً قَالُواْ أَتَتَّخِذُنَا هُزُواً قَالَ أَعُوذُ بِاللّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ" (20)

یعنی: " اور وہ وقت بھی یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کا حکم ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔"

یہاں پر لفظ بقرہ اپنی جنس کے تمام افراد پر یکساں دلالت کرتا ہے۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی گائے ہو اسی لیے بنی اسرائیل نے سوالات کئے تھے۔

محدود یعنی مقید: مقید وہ لفظ ہے جو خاص پر دلالت کرتا ہو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لاَّ ذَلُولٌ تُثِيرُ الأَرْضَ وَلاَ تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لاَّ شِيَةَ فِيهَا قَالُواْ الآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُواْ يَفْعَلُونَ" (21)

یعنی: " اس نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی سدھائی ہوئی نہ ہو جو ہل چلائے اور کھیتی کو پانی دے۔ بلکہ وہ سالم ہو اس پر کسی قسم کا دھبہ نہ ہو۔"

اس آیت کریمہ میں گائے کے خصوصیات بھی لگائی گئی ہیں، جس کی وجہ سے یہ لفظ خاص پر دلالت کرتا ہے۔

۸۔ محکم و متشابہ

محکم وہ آیات ہیں جن کا مفہوم واضح ہو اور کسی تفسیر کی ضرورت نہ ہو۔ امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس نے محکم اور متشابہ کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ میں محکم اور متشابہ آیات کا ذکر اس طرح بیان ہوا ہے:

" هُوَالَّذِی أَنزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِیلِهِ وَمَا یَعْلَمُ تَأْوِیلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ یَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ۔" (22)

یعنی: " وہی ذات ہے جس نے آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے، جس کی بعض آیات محکم (واضح) ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں، جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ اور تاویل کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں محکم اور متشابہ دونوں کا ذکر موجود ہے۔ محکم کا لفظ باب افعال سے اسم مفعول ہے جو احکم سے اخذ کیا گیا ہے جس کی معنی ہے، پلٹا دینا اور روک دینا ہے۔ اور اسی سے ہی "حاکم" نکلا ہوا ہے اسے حاکم اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ ظالم کو ظلم سے روکتا ہے۔ اور اسی سے حکمت بھی ہے اسے حکمت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ناشائستہ امور کو انجام دینے سے روکتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"إِنَّ اللّهَ لاَ یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ یَظْلِمُونَ۔" (23)

یعنی: "اللہ انسانوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن انسان اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔"

متشابہ وہ آیات ہیں جن کا مفہوم واضح نہ ہو اور اسے سمجھنے کے لیے کسی تفسیر کی ضرورت ہو۔

متشابہ باب تفاعل سے اسم مفعول ہے، جو تشابہ سے اخذ کیا گیا ہے، جس کی معنی ہے دو چیزوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ہم شکل ہونا یا شباہت رکھنا کہ ذہن ان کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بنی اسرائیل جب گائے ذبح کرنے کا کہا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا:

یعنی: " گائے ہمارے نزدیک متشابہ ہو گئی ہے۔"

کیوں کہ ایسی بہت سی گائیں ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ متشابہ ہیں، یہاں پر تشابہ سے مراد شباہت رکھنا ہے۔ متشابہ کی قرآن کریم میں مثال وہ تمام حروف مقطعات ہیں، جو بعض سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں، جس کی معنی کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یا جس کو رسول اللہ نے اس کی تعلیم دی ہے۔ اسی طرح ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى " (24) یعنی: " رحمان عرش پر متمکن ہو گیا ہے۔"

اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے۔ اس آیت کو سمجھنے کے لیے قرآن کریم کی دیگر آیات کی طرف رجوع کیا جائے گا جہاں یہ ذکر ہے کہ جہاں منہ پھیرو گے وہاں اللہ کو پاؤ گے یا ہم

ان کی شہ رگ سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ پر موجود ہونے کے دلائل موجود ہیں۔

۹۔ مجمل و مفسر

مجمل: مجمل وہ آیات ہیں جن کی تفسیر کی ضرورت ہو۔

مفسر: وہ آیت ہے جو مجمل کی تفسیر بیان کرتی ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس میں مجمل بھی ہیں اور مفسر بھی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کا بعض حصہ بعض حصے کی تفسیر کرتا ہے کچھ آیات مجمل ہیں جن کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ ''وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ'' (25) ترجمہ: '' مطلقہ عورتیں تین قروء تک انتظار کریں گی۔''

اس آیت کریمہ میں قروء کی دو معانی ہیں، ایک حیض اور دوسرے طہر یعنی حیض سے پاک ہونا ہے۔ لہٰذا یہ آیت مجمل ہے اس کی تفسیر کی ضرورت ہے۔ اس کی تفسیر کی ضرورت ہے کہ نماز کس طرح پڑھی جائے اس کی کتنی رکعت اور کتنے اوقات ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی مثالیں ہیں۔

۱۰۔ گتھیوں کو سلجھادیا

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس نے قرآن کریم کے گہرے مطالب کو واضح کر دیا ہے۔ قرآن کریم کے گہرے مطالب کی طرف اشارہ اس آیت کریمہ میں ہے۔ جیسے: '' وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ '' (26) یعنی: '' اس کی تاویل کو اللہ اور راسخون فی العلم کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔'' اس بحث کے بعد امیر المومنین علی علیہ السلام احکام قرآن کریم کی ایک اور تقسیم کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کی وضاحت ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

۱۱۔ اس میں بعض آیات ہیں جن کے علم کا عہد لیا گیا ہے

امیر المومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں کچھ ایسے احکام ہیں جن کے جاننے کی پابندی عائد کی گئی ہے یعنی ہر ایک پر اس حد تک پابندی عائد کی گئی ہے کہ اس سے چشم پوشی اور بے اعتنائی نا قابل معافی جرم ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ااس کی توحید کا اقرار۔ اس کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُواْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ " (27)

یعنی: " (اور اس وقت کو یاد کرو) جب تمہارے رب نے آدم کی اولاد کی پشتوں سے ان کی ذریت کو لے کر انہیں خود ان کے اوپر گواہ بنا کر سوال کیا کہ تمہارا خدا ہوں؟ تو سب نے کہا کہ بے شک ہم گواہ ہیں۔"

۱۲۔ بعض سے ناواقفیت کو معاف کر دیا گیا ہے

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کچھ ایسے احکام ہیں جن سے ناواقف رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یعنی ایسی متشابہ آیات کہ جس کا علم صرف اللہ اور راسخون فی العلم کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور دوسرے لوگوں کو اس کا علم نہ رکھنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ" (28)

یعنی: " اور اس کی تاویل کو صرف اللہ جانتا ہے اور وہ لوگ جانتے ہیں جو راسخون فی العلم ہیں۔"

۱۳۔ کتاب کا حکم سنت سے منسوخ ہے

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتا ہے کہ بعض احکام کے فرض کا کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اور سنت سے ان کے منسوخ ہونے کا علم حاصل ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حکم ہے:

" وَاللاَّتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُواْ عَلَيْهِنَّ أَرْبَعةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُواْ فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّهُ لَهُنَّ سَبِيلاًO وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُواْ عَنْهُمَا إِنَّ اللّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا." (29)

یعنی: "اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں ان پر اپنوں میں سے چار گواہوں کی گواہی لو اور جب گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں بند کر دو یہاں تک کہ موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ مقرر کر دے اور تم میں سے جو آدمی بدکاری کریں انہیں اذیت دو پھر اگر توبہ کر لیں اور اپنے حال کی اصلاح کر لیں تو ان سے اعراض کرو کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔"

ان میں سے پہلی آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ جو عورتیں بدکاری کی مرتکب ہوں وہ مرتے دم تک اپنے گھروں میں قید رکھی جائیں۔ دوسری آیت سے واضح ہوتا ہے بدکاری کرنے والوں کو ایذا دی جائے۔ یہ دونوں آیتیں منسوخ ہو چکی ہیں جیسا کہ غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے قرآن کریم میں سو کڑوں کی سزا سنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ " (30)

یعنی: " زناکار مرد اور عورت کو سو سو کوڑے لگاو۔"

جب شادی شدہ مرد اور عورت کو سنگار کی سزا حدیث نبوی میں سنائی گئی ہے۔ حدیث اس طرح ہے:

حضرت ابو بصیر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میں اسی آیت " وللاتی یاتین الفاحشة من نساءکم الی سبیلا " کے بارے پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہے، اسی لئے اللہ ان کے لیے کوئی سبیل پیدا کرے گا اس سبیل سے مراد حد (یعنی شادی شدہ کے لیے رجم اور غیر شادی شدہ کے لیے جلد ہے) (31)

۱۴۔ سنت کا حکم کتاب سے منسوخ ہونا

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا بجالا ناحدیث کی رو سے واجب ہے لیکن قرآن میں ان کے ترک کرنے کی اجازت ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام کا یہ کلام سابقہ کلام کے بالکل الٹ ہے کیونکہ پہلے یہ کہا گیا تھا کہ قرآن کریم میں وجوب کا حکم تھا لیکن سنت میں اسے منسوخ کیا گیا۔ اس کلام سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ کچھ ایسے اعمال ہیں جن سنت کی روشنی میں انجام دینا فرض تھا بعد میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے ترک کرنے کا حکم دے دیا۔ جیسا کہ اسلام کی ابتدا میں بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم قرآن کریم میں نہیں ہے یہ حکم صرف حدیث کی روشنی میں تھا۔ یہ حکم قرآن کریم نے منسوخ کر دیا، جیسا کہ ارشاد ہے:

" فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ " (32)

یعنی: " پس آپ اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف موڑ دیں۔"

اس آیت نے بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کے حکم کو منسوخ کرکے کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

۱۵۔ بعض احکام کسی وقت واجب ہونے کے بعد مستقبل میں ختم کر دئے گئے ہیں

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں بعض واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب وقت سے وابستہ ہے اور زمانہ آئندہ میں ان کا وجوب بر طرف ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:

" وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً " (33)

یعنی: " تم اپنے وعدے پورے کرو کیونکہ وعدہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

اس طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَأَوْفُواْ بِعَهْدِ اللّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلاَ تَنقُضُواْ الأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلاً إِنَّ اللّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ " (34)

یعنی: "اور جب کوئی وعدہ کرو تو اسے پورا کرو اور اپنی قسموں کو باندھنے کے بعد نہ توڑا کرو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر نگہبان بنا چکے ہو۔"

ان دونوں آیات میں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب انسان کوئی نذر و عہد کرتا ہے تو اسے پورا کرنا واجب ہوتا ہے، لیکن جب پورا کر لیا تو اس کا وجوب ختم ہو جاتا ہے۔

۱۶۔ گناہان کبیرہ و صغیرہ

امیر المومنین حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے محرمات میں بھی تفریق ہے، کچھ کبیرہ ہیں جن کے لیے آتش جہنم کی دھمکیاں ہیں اور کچھ گناہ صغیرہ ہیں جن کی بخشش کی امید کی جا سکتی ہے۔ یہاں پر امیر المومنین علیہ السلام نے گناہوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ جن کے لیے آتش جہنم کی دھمکیاں ہیں اور دوسرے وہ گناہ ہیں جن کے لیے بخشش کی امید کی جا سکتی ہے۔ اس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

" إِن تَجْتَنِبُواْ كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلاً كَرِيمًا " (35)

یعنی: " اگر ان میں سے تم گناہان کبیرہ سے جن سے روکا گیا ہے بچے رہو گے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں سے بھی در گزر کریں گے اور تمہیں عزت والی جگہ (جنت) میں داخل کریں گے۔"

اس آیت کریمہ سے دونوں قسم کے گناہوں کا ذکر ہے، گناہان کبیرہ کی احادیث میں بہت تفصیل آئی ہے لیکن ہم طوالت سے بچنے کے لیے اسی آیت پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۷۔ مختصر عمل بھی قبول ہے اور زیادہ کی بھی گنجائش موجود ہے

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کچھ اعمال ایسے ہیں، جن کا مختصر بھی قابل قبول اور زیادہ کی بھی گنجائش پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ نماز تہجد کے کھڑا ہونا کہ اس کا تھوڑا حصہ بھی قبول ہے اور زیادہ کی بھی گنجائش موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”یَا أَیُّهَا الْمُزَّمِّلُOقُمِ اللَّیْلَ إِلَّا قَلِیلًاOنِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِیلًاOأَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیلًا۔“(36)

یعنی: ”اے چادر لپیٹنے والے! رات کو کھڑے ہو، مگر تھوڑی رات، آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر دو یا اس سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔“

اس طرح سورۂ مزمل کی ایک آیت کریمہ میں اس طرح بیان ہے:

”إِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَیٰ مِن ثُلُثَیِ اللَّیْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِینَ مَعَكَ وَاللهُ یُقَدِّرُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ“ (37)

یعنی: ”(اے رسول!) بے شک تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی شب کے قریب اور (کبھی) نصف شب اور (کبھی) ایک تہائی شب (نماز میں) قیام کرتے ہیں اور تمہارے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت بھی قیام کرتی ہے۔ اور اللہ ہی رات اور دن کا اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہے، اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اس پر پوری طرح سے حاوی نہیں ہو سکتے، تو اس اس نے تم پر مہربانی کی ہے تو جتنا آسانی سے ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو۔“

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نماز تہجد جتنا میسر ہو سکے پڑھو تو یہاں پر نماز کو قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ نماز شب قرآن کریم کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور قرائت قرآن کی مانند ہے اور قرآن کریم نماز میں پڑھا جائے تو دل کو زیادہ لبھاتا ہے۔ اس کا تعلق ایسی قربۃ الی اللہ عبادات سے جن کا قلیل حصہ بھی مقبول ہے اور لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ کی گنجائش بھی اس کے اندر رکھی گئی ہے۔

* * * * * *

حوالہ جات

1۔ نہج البلاغہ (شرح شیخ محمد عبدہ) جلد نمبر ا، خطبہ نمبر ۱۱۰، ص ۲۳۳
2۔ نہج البلاغہ (شرح شیخ محمد عبدہ) جلد نمبر ا، خطبہ نمبر ۱۵۶، ص ۳۰۳
3۔ نہج البلاغہ (شرح شیخ محمد عبدہ) جلد نمبر ا، خطبہ نمبر ا، ص ۲۸، ۲۹
4۔ بقرہ ۲۷۵
5۔ النساء / ۱۰۳
6۔ البقرہ/ ۲۳۴
7۔ البقرہ/ ۲۴۰
8۔ البقرہ/ ۱۷۳
9۔ الکہف/ ۱۱۰
10۔ محمد/ ۱۹
11۔ البقرہ/ ۴۳
12۔ البقرہ/ ۲۸۲
13۔ یٰس/ ۲۰
14۔ البقرہ/ ۴۷
15۔ النازعات/ ۲۵
16۔ سورۃ النور/ ۴۴
17۔ النحل/ ۶۶
18۔ الجمعہ/ ۵
19۔ البقرہ/ ۲۶۱
20۔ البقرہ/ ۶۷
21۔ البقرہ/ ۷۱
22۔ آل عمران/ ۷
23۔ یونس/ ۴۴
24۔ طٰہٰ/ ۵

25۔البقرہ/۲۲۸
26۔آل عمران/۷
27۔الاعراف/۱۷۲
28۔آل عمران/۷
29۔النساء/۱۶،۱۵
30۔النور/۲
31۔ تفسیر عیاشی ج۱، ص۲۲۷
32۔البقرہ/۱۴۴
33۔بنی اسرائیل/۳۴
34۔النحل/۹۱
35۔النساء/۳۱
36۔المزمل/۱۔۴
37۔المزمل/۲۰

قرآن اور حدیث کی روشنی میں شفاعت کی حقیقت

روشن علی*

Roshanali007@yahoo.com

اسلامی اعتقادات میں سے ایک اہم عقیدہ "شفاعت" ہے۔ قرآنی آیات کی روشنی میں شفاعت کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک اچھی اور دوسری بری سفاعت ہے۔ نیز شفاعت کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں: ا۔ انسان مادی یا غیر مادی کمال پر فائز ہونے کا خواہاں ہو لیکن اس کے پاس کافی وسائل یا لیاقت وصلاحیت موجود نہ ہو لیکن وہ شفاعت کا سہارا لے کر اس مقام پر فائز ہو سکتا ہو۔ ۲۔ انسان اپنے آقا کے احکام کی نافرمانی کی وجہ سے کسی سزا اور عذاب کا مستحق ہو لیکن شفاعت کا سہارا لے کر سزا یا عذاب سے بچ جائے۔ ان دونوں صورتوں میں شفاعت اس وقت موثر ہو گی جب مذکورہ شخص شفاعت کی اہلیت رکھتا ہو۔

شفاعت پر کئی اعتراضات کیے گئے ہیں لیکن شفاعت کی حکمت یہ ہے کہ اس سے گناہ گار انسانوں کے دلوں میں امید کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کا سبب بنتا ہے۔ اگرچہ بعض قرآنی آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شفاعت صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مخصوص ہے لیکن دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ کچھ ایسی ہستیاں بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ اللہ کے اذن سے شفاعت کر سکتی ہیں۔ البتہ ہر شخص کی شفاعت بھی نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے لیے قرآن کریم نے جو معیار مقرر کیا ہے وہ یہ ہے کہ جس کی شفاعت کی جا رہی ہے وہ خدا کا خوف رکھتا ہو اور گناہ کے ارتکاب کے باوجود دین پر قائم ہو۔

بعض آیات اور روایات کے مطابق توبہ، نیکیاں، ایمان، رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ملائکہ اور مومنین گناہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ اسی طرح قیامت کے دن انبیاء کرام، علماء اور شہداء بھی گناہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملائکہ بھی مؤمنین کی شفاعت کریں گے۔

* ۔ اسسٹنٹ پروفیسر، وفاقی نظامت تعلیمات (ماڈل کالجز ونگ) اسلام آباد

اسلامی اعتقادات میں سے ایک اہم عقیدہ شفاعت ہے جس کے بارے میں قرآن و حدیث میں بے شمار شواہد ملتے ہیں، قرآن مجید شفاعت کے بارے میں فرماتا ہے:

" مَّن يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَن يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُن لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا۔" (1)

یعنی: " جو شخص اچھی بات کی حمایت اور سفارش کرتا ہے وہ اس میں سے حصہ پائے گا، اور جو بری بات کی حمایت اور سفارش کرتا ہے وہ بھی اس میں سے حصہ پائے گا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں شفاعت کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے ایک اچھی شفاعت اور دوسرے بری شفاعت ہے۔ ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اچھی شفاعت کرنے والے کو اجر و ثواب ملتا رہے گا اور بری سفارش کرنے والے کو اس برائی کی سزا ملتی رہے گی۔ شفاعت کا لفظ مادہ شفع سے نکلا ہوا ہے جس کے لغوی معنی ہیں: جفت، ضمیمہ، جوڑ، دہرا کرنا۔ اس کے مقابلے میں لفظ وتر آتا ہے جس کی معنی ہے طاق۔ اسی لیے شفاعت کے لفظی معنی یہ ہوئے کہ کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی قوت ملا کر اس کو قوی کر دیا جائے یا بے کس اکیلے شخص کے ساتھ خود مل کر اس کو جوڑا بنا دیا جائے۔ (2)

جب کوئی شخص کسی کی شفاعت کرتا ہے تو اپنی آبرو اور وقار کو اس کے ساتھ ضمیمہ کرتا ہے اس لیے سفارش کو شفاعت کہا جاتا ہے۔ (3) اس کی علت یہ ہے کہ کسی مجرم کے لیے کسی دوسرے شخص کی طرف سے حمایت، مجرم کی نجات کے لیے شفاعت کہلاتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شفاعت کرنے والے کا مقام و حیثیت اور اس کی قوت و تاثیر مجرم کی نجات کے عوامل شفاعت کے ساتھ مل کر آپس میں ضمیمہ بن جاتے ہیں، یہ دونوں امور ایک دوسرے کی مدد سے مجرم کی خلاصی اور چھٹکارے کا سبب بن جاتے ہیں۔

گناہ گاروں کے لیے اولیاء اللہ کی شفاعت کے معنی ظاہر میں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے معزز بندے بارگاہ پروردگار میں اپنے قرب و حیثیت کی بنا پر اس قابل ہوتے ہیں کہ مجرم اور گناہ گار لوگوں کے لیے واسطہ بن سکیں اور بارگاہ الٰہی میں التماس کریں کہ ان کی خطا و گناہ سے درگزر فرمائے۔ تاہم ان کی شفاعت کرنا اور اس شفاعت کا قبول ہونا کچھ شرائط کے تحت ہوتا ہے، جن میں بعض شرائط تو مجرم سے متعلق ہوتی ہیں اور بعض شفاعت کرنے والے سے تعلق رکھتی ہیں، دوسرے لفظوں میں اس طرح کہنا چاہیے کہ شفاعت اولیاء اللہ کی اس مدد

کو کہتے ہیں جو اللہ کے اذن سے صرف ان مجرمین کے لیے ہوتی ہے، جو گناہ گار ہوتے ہوئے بھی اپنے دامن ایمان کو اللہ تعالیٰ اور اپنے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے منقطع نہیں کرتے۔

شفاعت کی حقیقت

شفاعت کی کچھ صورتیں اس طرح ہو سکتی ہیں۔

1) انسان مادی یا غیر مادی کمال پر فائز ہونے کا خواہاں ہو لیکن اس کے پاس کافی وسائل یا لیاقت وصلاحیت موجود ہو۔ مثلا اس نے اپنے آقا کے احکام کی کما حقہ تعمیل تو نہیں کی، جس کی وجہ سے وہ کمال حاصل کر سکتا، البتہ وہ شفاعت کا سہارا لے کر اس مقام پر فائز ہو سکتا ہے۔

2) آقا کے احکام کی نافرمانی کی صورت میں اگر کوئی شخص عذاب کا مستحق قرار پائے تو وہ کسی شخصیت کی سفارش یا شفاعت کا سہارا لے گا تاکہ اس سے یہ عذاب ٹل جائے۔ ان دونوں صورتوں میں شفاعت اس وقت موثر ہو گی جب مذکورہ شخص شفاعت کی اہلیت رکھتا ہو کیونکہ شفاعت ہر جگہ موثر نہیں ہوا کرتی ہے۔

تفسیر المیزان میں علامہ محمد حسین طباطبائی اس طرح لکھتے ہیں: ''انما الشفاعة متممة للسبب لا مستقلة فی التاثیر۔''(4) یعنی: '' شفاعت مستقل سبب نہیں ہے بلکہ سبب کے لیے تکمیل ہوتی ہے۔'' بنابرایں کسی اہم علمی عہدے کے لیے ایک جاہل ان پڑھ کی سفارش کسی طرح بھی معقول نہیں، ایک سرکش کافر کے بارے میں مولا کے سامنے شفاعت اور سفارش کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا ہے۔

شفاعت پر اعتراض اور اس کا جواب

عقیدہ شفاعت گناہ کے ارتکاب کا سبب بنتا ہے اور احساس ذمہ داری کو ختم کرتا ہے۔ اس اعتراض کے دو جواب دیئے جا سکتے ہیں:

1. یہ اعتراض اللہ تعالیٰ کی مغفرت، بخشش اور رحیمیت پر کیا جا سکتا ہے کہ ایک بندہ گناہ کرتا ہے لیکن جب وہ پشیمان ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔ اس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''إِنَّ اللّهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ۔''(5) یعنی: '' اللہ صرف شرک کو معاف نہیں کرتا، اس کے علاوہ جس کو وہ چاہے معاف کر دیتا ہے۔'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا واضح

اعلان ہے کہ تمام گناہ گاروں کی بخشش ہو سکتی ہے سوائے شرک کے، کیونکہ کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس کے علاوہ جتنے بھی گناہ تمام معاف کئے جا سکتے ہیں، لہٰذا شفاعت پر یہ اعتراض نا قابل قبول ہے۔

3) عقیدہ شفاعت صرف اس صورت میں گناہ اور لاپرواہی کا سبب بن سکتا ہے، جب گناہ اور گناہ گار کے بارے میں کوئی شرط نہ ہو۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں شخص یا قوم کی سفارش اور شفاعت بلا شرط اور قید و بند ہو گی۔ یا فلاں گناہ کے بارے میں بلا شرط شفاعت اور سفارش ہو گی تو اس صورت میں وہ قوم ارتکاب گناہ کی جسارت کرے گی لیکن اگر گناہ اور گناہ گار کا تعین بھی نہ ہو اور شفاعت کا مستحق بننے کی شرائط بھی مقرر ہوں تو انسان کو یہ علم نہیں ہو گا کہ وہ شفاعت کا مستحق بنے گا یا نہیں یا شفاعت کی شرائط اس میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ اس کا مثبت نتیجہ یہ ہے کہ انسان ناامیدی میں مبتلا نہیں ہوتا جو کہ ایک قسم کا کفر ہے، بلکہ انسان خوف اور امید کے درمیان محتاط رہتا ہے اور ناامیدی کا شکار نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ضمیر بیدار اور متحرک رہتا ہے۔

شفاعت امید کا پہلو رکھتی ہے

شفاعت کا عقیدہ گناہ گار انسان کے دلوں میں امید کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور کم از کم زندگی میں زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کی شفاعت کا عقیدہ اس بات کا باعث قرار پاتا ہے کہ ایک جماعت اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی اور بخشش کے امکانات جو دیکھ سکتے ہیں، اپنے گناہ و عصیان اور سرکشی سے دستبردار ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئے گی۔ قرآن کریم میں اس کے متعلق ارشاد ہے:

" قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللهِ إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ O وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ۔" (6)

یعنی: " (اے پیغمبر!) کہہ دو میرے ان بندوں کو جنہوں نے اپنے اوپر ظلم و اسراف کیا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں بے شک اللہ سب کے گناہ معاف کرتا ہے وہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور اپنے رب کی طرف واپس لوٹ آؤ اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ اس سے قبل کے تمہارے اوپر عذاب آئے جائے پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔"

ان آیات کریمہ میں واضح طور پر مجرموں اور گناہ گاروں کو ناامیدی سے روکا گیا ہے اور انہیں بخشش اور رحمت کی امید دلائی گئی ہے۔ مجرموں کو دوبارہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت کی طرف لوٹ کر آنے کی دعوت بھی دی گئی ہے۔ اگر یہ امید نہ ہوتی تو ایک گناہ گار اور مجرم انسان کبھی بھی دوبارہ راہ راست پر نہ آسکتا تھا۔ لہٰذا شفاعت ایک ایسا عقیدہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی بخشش، رحمت اور کرامت یاد دلاتا ہے۔

اللہ کی شفاعت

بعض قرآنی آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شفاعت صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مخصوص ہے اور شفاعت کرنا بنیادی طور پر اسی کا کام ہے۔ ہم یہاں پر قرآن کریم میں صرف دو آیات پر اکتفا کرتے ہیں: "قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا۔" (7) "کہہ دیجئے کہ ساری شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے۔" اسی طرح ایک اور مقام پر بھی ارشاد ہے:

"مَالَكُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ۔" (8)

یعنی: "اس کے سوا تمہارا کوئی کار ساز ہے نہ شفاعت کرنے والا پھر تم نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے۔"

ان دو آیات کریمہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور سفارش نہیں کر سکتا کیونکہ وہی تمام کائنات کا مالک و خالق ہے، وہی مختار کل ہے لہٰذا شفاعت کرنا بھی اسی کو ہی سزاوار ہے اور یہ حق شفاعت اللہ تعالیٰ کی ذاتی اور استقلالی حیثیت ہے کسی کی طرف سے عطا نہیں ہوئی ہے۔

غیر اللہ کی شفاعت

کچھ ایسی آیات قرآن مجید میں موجود ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ اور بھی ایسی ہستیاں ہیں جو شفاعت کر سکتی ہیں، لیکن ان کی شفاعت کرنا ذاتی اور استقلالی نہیں ہے، بلکہ ان ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ سفارش کر سکتی ہیں۔ ان کی وضاحت میں درج ذیل آیات پیش کی جارہی ہیں۔

ا۔ اللہ سے عہد لیا ہو

وہ ہستیاں جنہوں نے شفاعت کرنے کا اللہ تعالیٰ سے عہد لیا ہو تو وہ اسی کی بارگاہ میں سفارش اور شفاعت کر سکتی ہیں۔ اس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے: "لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ

عَهْداً۔" (9) یعنی: " کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا سوائے اس کے جس نے رحمان سے عہد لیا ہو۔" یعنی جس ہستی نے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا ہے کہ وہ سفارش اور شفاعت کر سکے گا۔

۲۔اللہ کی طرف سے اجازت ملی ہو

ایسے افراد جن کو اللہ تعالیٰ نے سفارش کرنے کی اجازت دی ہو تو وہ بھی سفارش کر سکتے ہیں۔اس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے: " يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔" (10) یعنی: " اس دن کسی کی شفاعت فائدہ نہ دے گی سوائے اس کے جسے رحمان نے اجازت دے اور اس کی بات کو پسند کرے۔"

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ وہ ہستیاں بھی سفارش کر سکتی ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا ہے اور انہیں سفارش کی اجازت دی ہو۔ پس جس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کرنے کی اجازت ہو، وہ اس کا اہل ہے کہ کسی کی شفاعت کر سکتا ہے۔ اس کے متعلق اور بہت سی آیات ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ اور بھی ہستیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفارش کر سکتی ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: " وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ۔" (11) یعنی: " اسی کی بارگاہ میں کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی سوائے اس کے جس کو اللہ نے اجازت دی ہو۔" مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے: " مَا مِن شَفِيعٍ إِلَّا مِن بَعْدِ إِذْنِهِ۔" (12) یعنی: " کوئی بھی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا سوائے اس کے جس کو اللہ نے اجازت دی ہو۔"

شفاعت کی اہلیت

ہر شخص کی سفارش اور شفاعت نہیں ہو سکتی، اس کے لیے قرآن کریم نے ایک معیار مقرر کیا ہے، جس کے بغیر کوئی بھی شفاعت سے مستفید نہیں ہو سکتا۔اس کی وضاحت کچھ یوں ہے۔

ا۔خوف خدا رکھنے والے

شفاعت کے قابل وہ لوگ ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اس کے ساتھ وہ خوف خدا بھی رکھنے والے ہوں۔ اس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے: " يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ۔" (13) یعنی: " وہ اللہ ان باتوں کو جانتا ہے جو ان کے روبرو اور جو ان کے پس پردہ ہیں اور وہ فقط ان لوگوں کی شفاعت کر سکتے ہیں جن سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ کی ہیبت کی وجہ سے ہراساں رہتے ہیں۔"

۲۔ جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔

ان لوگوں کی شفاعت ہو گی جن کو اللہ نے پسند کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر قرآن کریم میں ارشاد رب العزت ہے: "يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔" (14) یعنی: "اس دن کسی کی شفاعت فائدہ نہ دے گی سوائے اس کے جسے رحمان نے اجازت دے اور اس کی بات کو پسند کرے۔ اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:

"واعملوا انه ليس يغنى عنكم من الله احد من خلقه شيئا لا ملك مقرب ولا نبى مرسل ولا من دون ذالك فمن سره ان تنفعه شفاعة الشافعين عند الله فليطلب الى الله ان يرضى عنه۔" (15)

یعنی: "یاد رکھو! اللہ کی مخلوق میں سے کوئی ایسا نہیں جو اللہ سے بے نیاز ہو جائے، خواہ وہ مقرب فرشتہ ہو یا نبی مرسل ہو، یا کوئی اس سے کمتر، اگر کوئی شخص شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے فائدہ حاصل کرنا چاہے، تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی خوشنودی طلب کرے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ شفاعت ایسے لوگوں کی ہو گی جو گناہ کرنے کے باوجود کچھ ایسے کام بھی سر انجام دیتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جاتا ہے اور ان کی بات کو پسند فرماتا ہے۔

۳۔ گناہان کبیرہ کے مرکب ہونے کے باوجود دین پر قائم ہوں

اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم لوگ اپنے گناہان کبیرہ کے ساتھ وارد حشر ہوئے ہوں۔ جس کے بارے میں حدیث پیغمبر (ص) ہے: "انما شفاعتی لاهل الكبائر من امتی۔" (16) یعنی: "بے شک میری شفاعت میری امت میں سے ان لوگوں کے لیے ہو گی جو گناہان کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہوں۔"

آپؐ کی اس حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قیامت کے دن شفاعت ان لوگوں کی ہو گی جو گناہان کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہوں کیونکہ گناہان صغیرہ تو اس دنیا میں ہی معاف ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی انسان اپنے آپ کو اس دنیا میں گناہان کبیرہ سے بچاتا ہے، تو اس کے گناہان صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس کے متعلق قرآن کریم میں اس طرح بیان ہے: "إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ۔" (17) یعنی: "اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے، تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف کر دیں گے۔"

اس آیت کریمہ میں یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ شفاعت ان لوگوں کی ہو گی، جو اس دنیا میں اپنے بڑے بڑے گناہ معاف نہ کروا سکے ہوں، نہ انہوں نے توبہ کی ہو، کیونکہ جن لوگوں نے توبہ کی ہے، ان کے گناہ تو

ویسے ہی بغیر کسی کی سفارش کے معاف ہو چکے ہیں۔ یہ بھی نہیں ہے کہ ہر گناہ کبیرہ کے مرتکب کی سفارش اور شفاعت ہو گی کیونکہ کافر، مشرک اور منافق ابدی جہنم میں جائیں گے، ان کی کوئی شفاعت نہ ہو گی۔ لہٰذا شفاعت ایسے گناہ گاروں کی ہو گی جو گناہ کرنے کے باوجود اپنے دین پر قائم ہوں۔

دنیا میں شفاعت کرنے والی اشیاء اور افراد

ا۔ توبہ

جو چیزیں شفاعت کریں گی ان میں سے ایک توبہ ہے، جب کوئی انسان نادانی اور جہالت کی بنا پر یا جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر لے، کوئی گناہ اس سے سرزد ہو جائے اور بعد میں اس گناہ پر نادم اور شرمندہ ہو، خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، تو اس شخص کے تمام گناہان معاف کر دیے جائیں گے۔ اس کے متعلق قرآن کریم کا فرمان ہے:

" قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللهِ إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔" (18)

یعنی: " کہہ دیجئے: اے میرے بندوٴ! جنہوں نے اپنی جانوں پر اسراف کیا، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، یقیناً اللہ تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے، وہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت کریمہ میں انسان کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تمام اشیاء سے وسیع تر ہے۔ اسی کی طرف امام المتقین امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے دعائے کمیل کی شروعات میں فرمایا ہے کہ "اللھم انی اسئلك برحمتك التی وسعت کل شئ" یعنی اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیری اس رحمت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جو تمام چیزوں سے وسیع تر ہے۔ لہٰذا انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنی چاہیے اور مایوس نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ انسان جب گناہ کرنے کے بعد شرمندہ ہو کر اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہے اور گناہ سے توبہ کرتا ہے تو یہ توبہ اس کی شفاعت کرتی ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَن عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔" (19)

یعنی: " اور جب آپ کے پاس ہماری آیات پر ایمان لانے والے لوگ آجائیں، تو ان سے کہیے: سلام علیکم، تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ تم میں سے جو نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے تو وہ بڑا بخشنے والا ہے۔"

۲۔ نیکی

گناہ گار انسان کی شفاعت کرنے والوں میں سے ایک چیز نیکی بھی ہے، کیونکہ جب انسان نیکی کرتا ہے، تو اس کے بدلے میں اس کے گناہ معاف کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔" (20) یعنی: " نیکیاں بے شک گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ "جب گناہ گار انسان گناہ کو ترک کرکے نیک کام کرتا ہے تو یہ نیک کام اس کے پچھلے گناہوں کی بخشش اور معافی کا سبب بنتے ہیں۔

۳۔ ایمان

اسی طرح ایمان بھی ان اشیاء میں سے ہے، جو ایک مجرم انسان کے جرم کو معاف کراتا ہے۔ ایمان لانے سے پہلے جتنے بھی گناہ کیے ہوں، کتنا ہی بڑا مجرم کیوں نہ ہو لیکن جب وہ ایمان لاتا ہے۔ تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے: " وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيْمٌ۔" (21) یعنی: "اللہ نے ایمان والوں اور نیک عمل بجالانے والوں سے، ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور عمل صالح انجام دینے والوں سے بخشش کا وعدہ کر رہا ہے کہ ان ایمان لانے والوں اور عمل صالح بجالانے والوں کی بخشش یقینی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنے وعدہ کی مخالفت نہیں کرتا۔

۴۔ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اس دنیا میں بھی شفیع ہے تو آخرت میں بھی، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

" وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُواْ أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُواْ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواْ اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا۔" (22)

یعنی: ”جب یہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے تھے، تو اگر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ گناہ گاروں کی شفاعت اور بخشش کے لئے راستہ بتا رہا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گنا سرزد ہو چکا ہے، تو وہ حبیب خدا حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا کروائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

۵۔ملائکہ

ملائکہ اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہے، جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں مصروف رہتی ہے۔ ان میں سے بہت سے ملائکہ ایسے ہیں، جو مسلسل مؤمنین کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا مانگتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا۔“ (23) یعنی: ”جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں، سب اپنے رب کی ثنا کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور اس پر ایمان لائے ہیں اور ایمان والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔“

۶۔ مومنین

ایک مؤمن کی دوسرے مؤمن کے لیے دعا کرنا بھی سفارش اور شفاعت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَالَّذِينَ جَاؤُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ۔“ (24) یعنی: ”اور وہ لوگ (بھی) جو اُن (مہاجرین و انصار) کے بعد آئے (اور) عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ایمان لانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کینہ اور بغض باقی نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بیشک تو بہت شفقت فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔“

یہ تمام اس دنیا میں شفاعت کریں گے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی شفاعت اور سفارش قبول ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہ گاروں پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ ان کی سفارش کرنے کی وجہ سے گناہ گار کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔

آخرت میں شفیع

وہ ہستیاں جن کو آخرت میں شفاعت کرنے کی اجازت ہو گی۔

ا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام

نبی کریم (ص) کے قیامت کے دن شفیع ہونے پر بہت سی قرآنی آیات گواہی دیتی ہیں، ہم ان میں سے صرف ایک آیت کریمہ پر اکتفا کریں گے: "عَسَى أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا۔" (25) "عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر عطا فرمائے گا۔" اس آیت کریمہ میں مقام محمود بیان کیا گیا ہے جس سے مراد آپ (ص) کی شفاعت ہے۔ شیخ طبرسی نے یہاں پر آپؐ کا مقام شفاعت ہی بیان کیا ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کی ایک روایت میں آپؐ کی شفاعت، ائمہ طاہرین علیہم السلام کی شفاعت اور انبیاء کرام علیہم السلام کی شفاعت کو یوں بیان کیا ہے:

"لا یشفع احد من الانبیاء اللہ و رسلہ یوم القیامۃ حتی یاذن اللہ لہ الا رسول اللہ، فان اللہ قد اذن لہ فی الشفاعۃ من قبل یوم القیامۃ، و الشفاعۃ لہ و للائمۃ من ولدہ ثم بعد ذالک للانبیاء۔" (26)

یعنی: "انبیاء و مرسلین میں سے کوئی بھی قیامت کے دن اذن خدا سے پہلے شفاعت نہیں کر سکتا سوائے رسول خدا (ص) کے کیونکہ اللہ تعالی نے آپؐ کو قیامت سے پہلے اجازت دے دی ہے۔ شفاعت کا حق آپؐ کو پھر آپؐ کی اولاد میں سے ائمہ طاہرین کو، اس کے بعد انبیاء کو حاصل ہے۔"

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے:

"شفاعتنا لاھل الکبائر من شیعتنا، و اما التائبون فان العزو جل یقول: ما علی المحسنین من سبیل۔" (27)

یعنی: "ہماری شفاعت ہمارے پیروکاروں میں سے ان لوگوں کے لیے ہے، جو گناہان کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہوں کیونکہ جن لوگوں نے توبہ کی ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکوکاروں پر کوئی سبیل نہیں ہے۔"

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام سفارش کے لیے تیار بیٹھے ہوئے ہیں اور ہم اپنی طرف سے کوئی نیکی نہ کریں اور بڑے بڑے گناہ کرتے رہیں، ایسا نہیں ہے کیونکہ ہم نے شروع میں اس کی شرائط بیان

کر دی ہیں کہ ایسے افراد جو گناہان کبیرہ انجام دینے کے باوجود دین پر قائم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے ہوں۔ ایسے افراد کی شفاعت کی جائے گی۔

۲۔انبیاء کرام علیہم السلام، علماء کرام اور شہداء عظام

قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام اور علماء اور شہدائے عظام گناہ گار لوگوں کی شفاعت اور سفارش کریں گے۔ اس کے متعلق امام علی علیہ السلام سے ایک حدیث مروی ہے:

"قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ثلاثۃ یشفعون الی اللہ عزو جل فیشفعون: الانبیاء، ثم العلماء، ثم الشھداء۔" (28)

یعنی: "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے افراد اللہ سے سفارش کرتے ہیں اور ان کی سفارش قبول ہو جاتی ہے وہ ہیں انبیاء، پھر علماء اور پھر شہداء ہیں۔'

۳ملائکہ

ملائکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مؤمنین کی سفارش و شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدتَّهُم وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔" (29)

یعنی: "ہمارے پروردگار! انہیں ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادا، ان کی ازواج اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں انہیں بھی، تو یقینا بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔"

حوالہ جات

1۔القرآن کریم، سورۃ النساء، آیت نمبر: ۸۵

2۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۲، ص ۴۹۷

3۔ شیخ محسن علی نجفی، الکوثر فی تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۳۲۲

4۔علامہ محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان، ج ۱، ص ۱۵۸، ناشر: موسسہ النشر الاسلامی التابعۃ لجماعۃ المدرسین، قم ایران

5۔النساء، آیت: ۴۸

6۔الزمر، آیت: ۵۳۔۵۴

7۔الزمر: ۴۴

8۔السجدہ: ۴

9۔المریم: ۸۷

10۔الطہ، آیت: ۱۰۹

11۔السبا، آیت: ۲۳

12۔الیونس، آیت: ۳

13۔الانبیاء، آیت نمبر ۲۸

14۔الطہ: آیت ۱۰۹

15۔الکلینی محمد یعقوب (متوفی: ۲۲۹): الکافی، ج۸، ص۱۱، طبع الثانی سن ۱۳۸۹ھ، دار الکتب الاسلامیہ آخوندی، ایران۔

16۔الشیخ الصدوق (متوفی: ۳۸۱): من لایحضر الفقیہ، ج ۳، ص ۵۷۴، طبع ثانی: ۱۴۰۴ھ جامعۃ المدرسین۔

17۔النساء: آیت نمبر ۳۱

18۔سورۃ الزمر: آیت ۵۳

19۔الانعام: آیت ۵۴

20۔الہود: آیت ۱۱۴

21۔المائدہ: آیت ۹

22۔النساء: آیت ۶۴

23۔المؤمن: آیت ۷

24۔الحشر: آیت ۱۰

25۔سورۃ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۷۹

26۔علامہ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۸، ص۳۸، طبع ثانی: ۱۴۰۳ھ موسسہ الوفاء، بیروت لبنان۔

27۔ من لایحضر الفقیہ، ج ۳، ص ۵۷۴

28۔الشیخ الصدوق، الخصال، ص ۱۵۶، ناشر: جماعۃ المدرسین فی حوزۃ العلمیۃ، قم ایران۔

29۔سورۃ الغافر: آیت ۸

انبیاء کی بعثت کا ہدف

ثاقب اکبر *

چونکہ آج مغربی معاشرے میں عملی طور پر یہ نظریہ اختیار کر لیا گیا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے فیصلے انسان نے خود کرنے ہیں اور اس کے لیے کسی نبی کی تعلیمات کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا نبوت کی ضرورت کے سلسلے میں ایک بہت بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا نبی کی ضرورت آخرت کے لحاظ سے ہے یا دنیاوی اور مادی زندگی کے لحاظ سے؟ جواب یہ ہے کہ چونکہ دین اسلام براہ راست ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں کے لیے قوانین دیتا ہے اور دین کا تعلق ہماری زندگی کے انفرادی اور اجتماعی، دونوں پہلوؤں سے ہے۔

ہمیں یہ امر بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو ایک فطرت پر پیدا کیا ہے اور انسان اپنے فطری راستے پر چلتا رہے تو پوری انسانیت ایک امت بن جاتی ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگ فطرت کا راستہ ترک کر دیں تو انسانی معاشروں میں اختلافات جنم لیتے ہیں۔ انبیاء کی بعثت کا ایک اہم ہدف، ان اختلافات کا خاتمہ ہے اور امتِ واحدہ کی تشکیل ہے۔ گویا انبیاء کی بعثت کا مقصد انسانوں کو پیمان فطرت یاد دلانا ہے۔

رسول اکرمؐ کی بعثت کا ایک اہم فائدہ انسانیت کو یہ حاصل ہوا کہ بنی نوع بشر قتل و فساد اور جنگ وجدل سے بچ کر آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور امت واحدہ کی تشکیل ہوئی۔ انبیاء کرام کی بعثت کا ایک اور اہم ہدف لوگوں کو اللہ تعالی کی عبادت اور بندگی کی طرف دعوت دینا تھا۔ درحقیقت، اللہ تعالی کی بندگی ہی انسانوں کی وحدت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ بنی نوع انسان کو آخرت کے عذاب جہنم سے بچنے کی دعوت دینا بھی انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد ہے۔ عدل کی حکمرانی کے قیام کی تعلیم، دعوت بلکہ کوشش بھی انبیاء کی جدوجہد کا حصہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انبیاء نہ ہوتے تو انسان اور انسانیت ہی نہ ہوتی۔

*۔ صدر نشین، البصیرہ ٹرسٹ، اسلام آباد

نبوت ایک اصل دین

اصول کی بحث یا عنوان خود ہمارا پیدا کردہ ہے قرآن یا کسی مستند حدیث میں یوں نہیں آیا کہ اصول دین اتنے ہیں البتہ جن امور پر بنیادی طور پر ایمان لانا ضروری ہے وہ اصول دین ہیں۔ بعض امور ضمنی طور پر آجاتے ہیں ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہوتا ہے لیکن وہ ضمنی ہوتے ہیں۔ مثلاً نبوت کا موضوع اصول دین میں سے ہے لیکن ختم نبوت کا موضوع اس کے ضمن میں آتا ہے اسی طرح سے وحی کا موضوع بھی نبوت کے موضوع کے ضمن میں زیر بحث آتا ہے۔

دین کی بحث کو آسانی کے لیے ہم اصول اور فروع میں تقسیم کرتے ہیں۔ اصول دین کا تعلق عقائد و معارف سے ہے اور فروع دین کا تعلق عملی زندگی سے ہے۔ ان میں سے گویا ایک کا تعلق ایمانیات سے ہے اور دوسرے کا عملیات سے ہے۔ نبوت کا تعلق بھی عقائد سے ہے جسے ہم ایک لحاظ سے دو پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں۔ ایک نبوت عامہ اور دوسری نبوت خاصہ۔

نبوت عامہ

نبوت کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ بعض افراد خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں، احکام اس سے لیتے ہیں اور لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ وہ باقاعدہ خدا کی طرف سے نبوت کے منصب پر اپنی ماموریت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسی طرح سے اپنی نبوت کا اثبات بھی خود نبی کے ذمے ہے۔

نبوت خاصہ

اس عنوان کے تحت ہم مختلف انبیاء کی نبوت کا اثبات کرتے ہیں یا مختلف انبیاء کے حوالے سے اٹھنے والے سوالات کا جواب دیتے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ نبی تھے، موسیٰ نبی تھے حضرت محمد مصطفیٰؐ نبی ہیں تو ان کی نبوتوں کا ثبوت کیا ہے۔ یعنی نبوت خاصہ کی بحث کا تعلق ان افراد سے براہ راست ہے جنھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

''نبی'' کا مفہوم

لفظ نبی نباء سے نکلا ہے اور نبا کا معنی ہے خاص خبر یا عظیم خبر۔ عربی میں خبر کا لفظ بھی اطلاع کے معنی میں آتا ہے لیکن نبی کو ہم مخبر یعنی خبر لانے والا نہیں کہتے۔ نباء کے حوالے سے نبیؑ کہتے ہیں یعنی بڑی خبر لانے والا۔ قرآن میں بھی نباء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سورہ نباء یہاں سے شروع ہوتی ہے:

" عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ O عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ " (1)

یعنی: " یہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں؟ ایک بڑی خبر کے بارے میں۔"

نبی کی ضرورت اور اجتماعی پہلو

اس سلسلے میں بہت بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا نبی کی ضرورت آخرت کے لحاظ سے ہے یا ہماری دنیاوی اور مادی زندگی کے لیے بھی نبی کی ضرورت ہے اور ہماری اجتماعیت کے ساتھ نبوت کا کیا رشتہ اور تعلق ہے یا نبوت کا تعلق فقط بعد از موت زندگی سے ہے۔ مغربی معاشرے میں ایک عرصے سے عملی طور پر یہ نظریہ اختیار کر لیا گیا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے فیصلے انسانوں کو اجتماعی طور پر خود کرنے ہیں اور اس کے لیے کسی نبی کی تعلیمات یا اس کی کتاب کو اساس کار کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اسی کو وہ حکومتوں اور ریاستوں کا سیکولر ہونا قرار دیتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کے پاس عقل ہے، وہ عقل سے کام لے کر اپنی زندگی بہتر گزار سکتا ہے لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ چونکہ دین اسلام براہ راست ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں کے لیے قوانین دیتا ہے اور عقل بھی ان قوانین کو درست سمجھتی ہے اور وہ بہتر نتائج کے بھی حامل ہیں تو پھر دین کا تعلق ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی سے ثابت ہوتا ہے۔ جب ہم دین کا تعلق سوسائٹی یا معاشرے سے ثابت کر دیں گے تو پھر یہ سوال نہیں رہے گا کہ دین ہماری زندگی کی ضرورت ہے یا نہیں۔ وجہ بعثت انبیاء پر گفتگو کرتے ہوئے ہم آئندہ دلائل سے ثابت کریں گے کہ خود قرآن حکیم نے بعثت انبیاء کے اجتماعی مقاصد بیان فرمائے ہیں۔

امت واحدہ کی تشکیل

قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر بعثتِ انبیاء کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ سورہ مبارکہ بقرہ کی یہ آیت اس حوالے سے بہت جامع اور واضح شمار کی جاتی ہے!

" كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُواْ فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلاَّ الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءتْهُمُ

الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ لِمَا اخْتَلَفُواْ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ "(2)

یعنی: "سب لوگ ایک امت تھے۔ پس اللہ نے نبیوں کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور ساتھ ان کے برحق کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے مابین ان امور میں فیصلہ کر دے جس میں وہ اختلاف کرنے لگے تھے اور انہی نے اس میں اختلاف کیا جنھیں یہ (کتاب) دی گئی تھی جبکہ اس کے پاس بین و واضح احکام و دلائل آچکے تھے اور یہ اختلاف انہوں نے باہمی رسہ کشی اور شرارت کی بنیاد پر کیا تھا۔ پس اللہ نے ایمان لانے والوں کو وہ راہ حق دکھا دی جس میں ان لوگوں نے اختلاف ڈال رکھا تھا اور اللہ جس کی چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔"

اس آیۂ مجیدہ سے مندرجہ ذیل بنیادی باتیں اخذ کی جا سکی ہیں:

1) تمام انسان ایک امت تھے، اکٹھے تھے، متحد تھے۔

2) جب انسانوں میں اختلاف پیدا ہوا تو اُن میں نبی مبعوث ہوئے تاکہ اللہ نے انھیں جو زندگی کے قوانین و اصول دیے ہیں ان کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہوئے لوگوں کے مابین سے اختلاف رفع کر دیں اور انھیں پھر "امۃ واحدہ" بنا دیں۔

3) ایک گروہ اختلاف کے راستے پر کاربند رہا جبکہ اس پر حجت تمام ہو گئی، روشن دلائل آچکے اور حق و باطل میں تمیز واضح ہو گئی۔

4) ایک گروہ نے انبیاء کی تعلیمات کو قبول کر لیا اور وہ "مومن" قرار پائے اور وہی سیدھے راستے پر گردانے گئے۔

انسان کے امت واحدہ کے ہونے کے حوالے سے یہ امر مد نظر رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ سب انسانوں کو ایک فطرت پر پیدا کیا ہے اس لئے اگر ان کی فطرت کسی خارجی رنگ یا گرد و غبار یا زنگ سے محفوظ رہے تو یکساں رہتی ہے اور وہ "امت واحدہ" بن کر رہ سکتے ہیں۔ پھر یہ فطرت اللہ کی فطرت سے ہم رنگ ہے بلکہ بہتر لفظوں میں انسان اللہ ہی کی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے لہٰذا انسان اپنے فطری راستے پر چلتا

رہے تو یہی اللہ کا راستہ ہے، یہی دین الٰہی ہے اور یہی صراط محکم و مستقیم ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

" فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ " (3)

یعنی: " اپنا رُخ محکم و مستقیم دین کی طرف کیے رکھ۔ اللہ کی فطرت ہے جس پر انسان پیدا کیے گئے ہیں۔ اللہ کی خلقت اور بناوٹ تبدیل نہیں ہوتی۔ یہی مضبوط دین ہے۔"

انبیاء کا اختلاف ختم کرنے کیلئے آنا گویا انسانوں کو فطرت کے راستے کی طرف واپس لانے کیلئے ہے۔ جس کے نتیجے میں وہی امت واحدہ پھر سے معرض وجود میں آجائے۔ اس مقصد کے لئے انبیاء تبشیر وانذار کا اسلوب اختیار کرتے رہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء نفس بشر کی اصلاح کیلئے مامور ہوئے تھے۔ وہی نفس جو آزادیٔ ارادہ واختیار کے استعمال سوء کے نتیجے میں راہ فساد اختیار کر لیتا ہے۔ انبیاء آئے تاکہ انسانی نفس کو راہ اصلاح پر کاربند رہنے کی مشق کروائیں، یہاں تک کہ بھلائی کا اختیار کرنا اس کے اندر ملکہ کی شکل اختیار کر لے۔ آخری رسول کی بعثت کی دعا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اسی مقصد کے لئے مانگ رہے تھے:

" رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوعَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ " (4)

ترجمہ: " اے ہمارے رب! ان میں ایک ایسا رسول بھیج، جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتیں پڑھے، انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک وپاکیزہ کرے۔"

بعثت انبیاء کا مقصد بزبان امیر المومنینؑ

حضرت امیر المومنین علیؑ نہج البلاغہ کے اپنے پہلے خطبے میں بعثت انبیاء کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

" فبعث فیهم رسله واتر الیهم انبیائه ،لیستادوهم میثاق فطرته و یذ کروهم منسی نعمته ویحتجوا علیهم بالتبلیغ ویثیروا لیهم دفائن العقول ویروهم الایات المقدرة" (5)

یعنی :"اللہ نے بنی آدم میں اپنے رسول مبعوث کیے اور لگاتار انبیاء بھیجے تاکہ ان سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کروائیں، اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں۔ پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔ عقل کے دفینوں کو ابھاریں اور انھیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔"

قبل ازیں مذکورہ آیات کو سامنے رکھ کر جناب امیرؑ کے اس فرمان کو دیکھا جائے تو یہ انہی آیات کی تفسیر معلوم ہوتا ہے۔اس میں صراحت سے فرما دیا گیا ہے کہ انبیاء کا مقصد بعثت انسان کو اس کا بھولا ہوا پیمان فطرت یاد دلانا ہے۔ عقل کے دفینوں کو ابھارنے کی تعبیر یہاں بہت معنی خیز ہے۔اس میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ انبیاء کی دعوت عقلی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔دوسرا پہلو یہ ہے کہ انبیاء کی دعوت ایسی ہوتی ہے کہ جو انسانی صلاحیتوں کو ابھارنے میں مددگار ہوتی ہے اور پھر یہ انسانی فطرت و عقل کی گہرائیوں سے ہی ہم آہنگ ہوتی ہے۔ بعید نہیں کہ آیت میں تعلیم حکمت اس مفہوم کی حامل ہو۔

اس خطبے سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پیمان فطرت کی فراموشی انسانوں میں خرابی اور فساد کا باعث بنتی ہے۔رسول اسلامؐ کی بعثت کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب امیرؑ نہج البلاغہ ہی میں اپنے ایک اور خطبے میں فرماتے ہیں:

"ارسله علی حین فترة من الرسل وطول هجعة من الامم واعتزام من الفتن و انتشار من الامور وتلظ من الحروب و الدنیا کا سفة النور ظاهرة الغرور علی حین اصفراء من و رقعها وایاس من ثمرها اغورار من مائها قد درست منار الهدی۔۔" (6)

یعنی:" اللہ نے اپنے رسول کو اس وقت بھیجا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور امتیں مدت سے پڑی سورہی تھیں۔ فتنے سر اٹھا رہے تھے۔ سب چیزوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ دنیا بے رونق و بے نور تھی اور اس کی فریب کاریاں کھلی ہوئی تھیں۔ اس وقت اس کے پتوں پہ زردی دوڑی ہوئی تھی اور پھلوں سے ناامیدی تھی۔ پانی زمین میں تہ نشین ہو چکا تھا۔ ہدایت کے مینار مٹ گئے تھے۔۔۔"

یہ سب عبارت درحقیقت " مَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ" کی خوبصورت اور دلنشین تفسیر ہے۔قرآن حکیم نے اس اختلاف کی موجودگی اور پھر بعثت رسول اکرمؐ کی برکت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

" ذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا" (7)

یعنی: " اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اس نے تمھارے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے الفت پیدا کردی پس تم اس کی نعمت سے آپس میں بھائی بن گئے اور تم گویا آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے کہ خدا نے تمھیں اس میں گرنے سے بچالیا۔"

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی نظر میں رسول اکرمؐ کی بعثت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ قتل و فساد اور جنگ وجدل میں مبتلا متفرق انسان آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور امت واحدہ کی شکل میں بدل گئے۔ رسول اکرمؐ کا ایک مشہور فرمان بعثت کے مقصد کی طرف ہماری رہنمائی ان الفاظ میں کرتا ہے:

"انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" (8)

یعنی: " میں اچھے اور بھلے اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔"

اگر ہم اخلاق کے اس مفہوم کو پیش نظر رکھیں کہ یہ انسانوں کے باہمی روابط و تعلقات کی نوعیت سے بھی عبارت ہے تو واضح ہوتا ہے کہ انسانوں کے باہمی روابط کو نیکی اور بھلائی کی بنیادوں پر استوار کرنا بعثت انبیاء کا بنیادی مقصد ہے۔ قرآن و حدیث سے وجہ بعثت کے اس اجمالی بیان کے بعد ہم زیر بحث موضوع کے حوالے سے اٹھائے گئے سوالات کا جائزہ لیتے ہیں۔

(1) لوگوں کو عبادت کی دعوت دینے کیلئے

کیا انبیاء کرام لوگوں کو اللہ کی عبادت اور بندگی کی طرف دعوت دینے کیلئے مبعوث ہوئے؟ اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ درحقیقت اللہ کی بندگی ہی انسانوں میں توحید ووحدت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اختلاف عبادت الٰہی یا تقاضائے عبادت الٰہی سے انحراف ہی کے نتیجے میں معرض وجود میں آتا ہے۔ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

" وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" (9)

یعنی: " میں نے جن وانس کو عبادت ہی کیلئے پیدا کیا ہے۔"

جب تخلیق جن وبشر کا مقصد ہی عبادت ٹھہرا تو پھر انبیاء کی دعوت سوئے عبادت حق تعالیٰ ہی ہونا چاہیے۔ درحقیقت یہی فطرت انسانی کے میثاق کے ایفا کی دعوت ہے۔ انسانی معاشرے کی تمام کجرویاں اسی دعوت سے انحراف کے نتیجے میں ہوتی ہیں۔ اگر سب کا ہدف خدا ہو جائے تو نوع انسانی میں سے ہدف کا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ ساری جنگیں تو اہداف و مقاصد کے اختلاف ہی سے جنم لیتی ہیں۔ اگر انسان سب اللہ کے بندے ہیں اور وہ سب کا معبود بھی ہے اور خالق و مالک بھی تو پھر ایک بندے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو بھی اس نظر سے دیکھے کہ وہ خدا کے بندے ہیں۔ اگر انسان میں یہ نظر پیدا ہو جائے تو پھر وہ اپنے آقا و مالک کے کسی بندے کے ساتھ کیونکر ظلم کر سکتا ہے۔

سب گویا ایک دوسرے کی کمک کرکے اپنے معبود کی عبادت ہی انجام دے رہے ہوتے ہیں۔ پھر دعوت الٰہی میں انسان کی باہمی رقابت بہت دل خوش کن منظر میں بدل جاتی ہے۔ بقول غالب:

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنان مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعاں ہو گئیں (10)

(2) فلاحی کام کرنے کے لیے:

قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر الٰہی دعوت کے بعد " لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ "فرمایا گیا ہے۔ احکام اسلامی میں نماز کا مقام و درجہ سب سے بلند ہے۔ اس کی طرف دعوت دیتے ہوئے موذن پکارتا ہے:

"حی علی الفلاح"

دراصل فلاح کا تصور کہ جو نرا مادی ہے اور فلاح کا تصور کہ جو دارین پر حاوی ہے، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ آخرت سے بے نیاز ہو کر، جہانِ دیگر سے انقطاع کے بعد فلاح کا تصور مکتب انبیاء میں سرے سے عنقا ہے۔ فلاح کے جامع تصور کے حوالے سے اگر پوچھا جائے کہ انبیاء ہماری فلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے تو اس سوال کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ رہے سماجی حوالے سے فلاحی کام تو یہ کلی توحیدی معاشرے کا ایک مثبت پہلو ہے۔

تاہم مکتب انبیاء سے وابستہ انسان کا اس حوالے سے جذبۂ محرکہ مکتب انبیاء سے دور انسان کے جذبۂ محرکہ سے مختلف ہی نہیں ہوتا بلکہ آخر کار نتیجہ بھی بہت مختلف نکلتا ہے۔ سماجی بھلائی کے کام انبیاء کے ساختہ و پرداختہ انسان کے وجود سے خود بخود مترشح ہوتے ہیں لہٰذا انھیں انبیاء کی تحریک انسان سازی

کاایک نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ بلاواسطہ انبیاء کا کام فطرت انسانی کو صالح رکھنا ہے، یہ مقصد حاصل ہو جائے تو معاشرہ بہر حال صالح اور فلاح یافتہ ہو جاتا ہے۔

(3)دنیا سے دور رکھنے کیلئے:

دنیاکے دو تصور ہیں، ایک دنیا جوآخرت سے بے نیاز ہو کر یا لا تعلق ہو کر حاصل ہو،انبیاء کے مکتب میں ایسی دنیا سے دوری ہی کی دعوت دی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے کہ جو شخص صرف یہ کہتا ہے:

"فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ" (11)

یعنی: "انسانوں میں سے جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں عطا کر، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"

ایسی ہی دنیاکے بارے میں فرمایا گیا ہے:

"حب الدنیا راس کل خطیة" (12)

یعنی: "دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔"

جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کو پسند فرماتا ہے جو کہتے ہیں:

"رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (13)

یعنی: "پروردگار! ہماری دنیا بھی اچھی کر اور آخرت بھی اچھی کر اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔"

جوانسان اس دنیا کو اپنی نجات اخروی کا زینہ بناتا ہے وہ انبیاء کے مکتب کا صحیح شاگرد ہے، اس لئے کہ اس مکتب کی تعلیم یہ ہے:

"الدنیا مزرعة الآخرة" (14)

یعنی: "دنیاآخرت کی کھیتی ہے۔"

دوسری طرف اسلام نے دنیا سے قطع تعلق کی کھل کر مخالفت کی ہے۔اسلام کا یہ نظریہ مشہور ہے:

"لا رهبانية في الاسلام" (15)

قرآن میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ:

"لَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔۔۔" (16)

یعنی: "اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔"

لہٰذا انبیاء ایسی دنیا سے دور رہنے کا پیغام تو دیتے ہیں جو آخرت کی نفی پر استوار ہو اور انسان کو آخرت سے غافل کر دے جبکہ اس دنیا کو آخرت کیلئے کھیتی بنا کر استفادے کے حامی ہیں۔انسانی معاشروں میں اختلاف ایسی دنیا پرستی کی بنا پر ہی پیدا ہوتا ہے جو آخرت سے دوری کا باعث ہوتی ہے۔ انسانی فطرت انسانی بقا کی خواہشمند ہے جبکہ اس دنیا کی زندگی فانی ہے لہٰذا فانی زندگی کی طلب فطرت انسانی کے تقاضوں کی پامالی سے عبارت ہے اور یہ امر سراسر وجہ بعثت انبیاء سے متصادم ہے۔

(4) سیاست سے دور رکھنے کے لئے

سطور بالا میں دنیا کے بارے میں اسلامی تصور سے اس سوال کا جواب واضح ہو گیا ہے۔ سیاست اگر انسانوں کو باہم جوڑنے، انھیں امت واحدہ بنانے، عدل اجتماعی کے قیام سے عبارت ہے تو یہی انبیاء کی تعلیمات کا تقاضا ہے لیکن سیاست کا مقصد اگر اس کے برخلاف ہے تو پھر انبیاء کے راستے کے برخلاف ہے۔

(5) آخرت میں چھٹکارا دلانے کیلئے:

ابھی ہم نے قرآن حکیم کی ایک آیت نقل کی جس کے آخر میں ہے :

"وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"

یعنی: "پروردگار! ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔"

ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے:

"قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا" (17)

یعنی: "اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے بچائیں۔"

گویا آخرت میں عذاب جہنم سے بچنے کی دعوت دینا انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد ہے۔ تاہم انبیاء کی دعوت اس سے وسیع تر، عظیم تر، عمیق تر اور جامع تر ہے۔ انبیاء کا تربیت یافتہ انسان بہر حال آخرت میں بھی نجات یافتہ قرار پاتا ہے۔ ویسے جنت ہو یا جہنم، اپنے تمام تر درجات کے ساتھ انسان کے اچھے یا برے اعمال کے اُخروی تشکل ہی کا دوسرا نام ہے۔

(6) دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو مخاطب کر کے فرمایا:

"يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ۔۔۔" (18)

یعنی: ''اے داؤد! ہم نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا ہے پس انسانوں کے مابین حق کے مطابق فیصلہ کر۔''

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے:

'' اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى'' (19)

یعنی: ''عدل کرو کہ یہی تقویٰ کے نزدیک ترین ہے۔''

ایسی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل کی حکمرانی کے قیام کی تعلیم، دعوت بلکہ کوشش انبیاء کی جدوجہد اور پروگرام کا حصہ ہے۔ ہم نے شروع میں وجہ بعثت انبیاء کے حوالے سے سورہ بقرہ کی جو آیہ مجیدہ نقل کی تھی اس میں بھی فرمایا گیا ہے۔

''وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ۔۔۔''

انبیاء کے ساتھ ہم نے برحق کتاب نازل کی تاکہ اس کے مطابق وہ لوگوں کے اختلافات دور کر سکیں اس کی روشنی میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کر سکیں۔

اب رہا یہ سوال کہ دنیا میں عدل وقسط کا قیام کس طریقے سے ہو تو یہ حالات اور شرائط زمان و مکان سے مربوط ہے۔ انبیاء کے اپنے ہاتھوں میں بھی حکومتیں رہی ہیں جیسے خود حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی مثال ذکر کی جاسکتی ہے۔ وہ کسی کو بھی یہ منصب سونپ سکتے ہیں جیسے جناب طالوت کو ایک مرحلے پر قیادت سونپی گئی۔ حکمت عملی کے تحت کوئی اور صورت بھی ممکن ہے۔ دراصل خود حکومت کا قیام انبیاء کا بلاواسطہ مقصد نہیں ہوتا لیکن معاشرے پر عدل کی حکمرانی اور ظلم کا خاتمہ قانون عدل کی بالادستی کے بغیر متصور نہیں۔

نمونہ عمل کی ضرورت

جانوروں میں سے جو اجتماعی زندگی گزارتے ہیں ان کے کام جبلی طور پر ہوتے ہیں۔ خود اُن کا ارادہ ان کاموں میں کارفرما نہیں ہوتا۔ انسان چونکہ فاعل مختار ہے اس لیے اُسے اجتماعی زندگی کے امور خود اپنے ارادے سے انجام دینا ہوتے ہیں لیکن اسی کے بارے میں امکان ہے کہ وہ اپنے فریضے میں کوتاہی کرے گا یا اس کے برخلاف کام کرے گا۔ انسان اپنے انفرادی مفاد کی فکر میں رہتا ہے۔ لہٰذا اسے قانونی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے سدھارنے اور سدھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انبیاء انسانوں کے لیے اچھے معاشرتی

قوانین اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات لے کر آتے ہیں اور خود ان قوانین پر عمل کرتے اور اخلاقی اعتبار سے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ اس طرح سے ان کی زندگی دوسروں کے لیے ایک نمونہ عمل بھی بن جاتی ہے۔ نمونہ عمل در حقیقت انسان کے اندر ایک جذبۂ عمل پیدا کرنے کا کردار بھی ادا کرتا ہے۔ انبیاء اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہیں ان کا عمل ان کی فکر اور تعلیم کی صداقت کی گواہی دیتا ہے۔

اس طرح سے وہ نافقط انسانی عقلوں کو اپیل کرتے ہیں بلکہ انسانی دلوں کو بھی انگیخت کرتے ہیں۔ انبیاء اپنی زبان سے ہی انذار و تبشیر کا کام نہیں کرتے بلکہ ایک صورت عمل بھی مہیا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان لانے والوں کے دل پر ان کی باتیں اثر کرتی ہیں وہ دنیا سے بظاہر چلے بھی جاتے ہیں لیکن ان کا عمل انسانوں کے اندر بیداری اور حرکت کا پیغام بن کر زندہ رہتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ انبیا نہ ہوتے تو انسان اور انسانیت ہی نہ ہوتی۔ آج بھی انبیاء کی جو وراثت انسانی تہذیب اور معاشرے میں باقی ہے وہ انسانی تربیت اور تکامل میں اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ اگر انبیاء کی کتب اور تعلیمات انسانی معاشرے سے آج بھی نکل جائیں تو روح انسانیت فنا ہو جائے۔ انسان بالکل درندہ بن جائے اور ہر قوی کمزور کو کھا جائے۔ اپنا اجتماعی فریضہ جان کر بھی امکان ہے کہ اس پر عمل نہ کرے۔ نبی اجتماعی فریضے کی پہچان میں بھی مدد کرتا ہے اور انسان میں ایمان کی قوت پیدا کرکے اس پر عمل پر بھی ابھارتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ سورہ النباء: ۱، ۲

2۔ بقرہ: ۲۱۳

3۔ روم: ۳۰

4۔ بقرہ: ۱۲۹

5۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱

6۔ نہج البلاغہ خطبہ ۸۷، ۸۹

7۔ آل عمران: ۱۰۳

8۔ بیہقی (۴۵۸)، السنن الکبری، بیروت، لبنان، دار الفکر، ج ۱۰، ص ۱۹۲)

9۔ ذاریات: ۵۶

10۔ غالب، اسد اللہ خان: دیوان غالب، تصحیح: حامد علی خان (لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، جنوری ۲۰۰۷) ص ۱۰۲

11۔ بقرہ۔ ۲۰۰

12۔ کلینی (۳۲۹) الکافی، تہران، ایران، دار الکتب الاسلامیۃ، طبع ۱۳۶۵ش، ج ۲، ص ۳۱۵

13۔ آل عمران: ۱۶

14۔ ری شہری، محمدی: میزان الحکمہ (تہران، مکتب الاعلام الاسلامی، اردی بہشت، ۱۳۶۷ھ ش) ج ۳، ص ۲۸۵
اس مقام پر جناب ری شہری نے اس مفہوم کی کئی ایک احادیث درج کی ہیں۔

15۔ کلینی، شیخ محمد بن یعقوب: الکافی (تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۵ھ ش) ج ۵، ص ۴۹۴

16۔ قصص: ۷۷

17۔ تحریم: ۶

18۔ ص: ۲۶

19۔ مائدہ۔ ۸

کفار کی طہارت ونجاست (۲)

سید مزمل حسین نقوی*

اہل کتاب کی نجاست پر ایک دلیل اجماع بیان کی جاتی ہے لیکن اس کے برعکس، ان کی طہارت کے فتوے میں بھی اجماع کا سہارا لیا گیا ہے۔ مقالہ ہذا کے مطابق، کفار کی نجاست پر اجماع کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا؛ کیونکہ یہ اجماع قطعی نہیں ہے۔ نیز، اگر اجماع کا مدرک نقل ہوا ہو تو بھی اجماع حجت نہیں ہوتا۔ اب چونکہ اہل کتاب کی نجاست پر قرآن اور سنت سے بھی استدلال کیا گیا ہے، لہٰذا یہ اجماع، اجماع ہونے کے لحاظ سے حجت نہیں ہے۔

بالفرض یہ اجماع صحیح بھی ہو تو بھی اس کے مقابلے میں اہل کتاب کی طہارت پر دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم آیا ہے: ”آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں؛ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے اور تمہارا کھانا اُن کے لیے حلال ہے۔“ البتہ مذکورہ استدلال صرف اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب طعام سے مراد کھانا ہو۔ بہر صورت، اہل کتاب کی طہارت پر دلالت کرنے والی روایات تعداد کے لحاظ سے بھی زیادہ ہیں اور ان کی دلالت بھی واضح ہے۔ اور اگر ان دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہو تو نجاست پر دلالت کرنے والی روایات کراہت پر حمل ہوں گی۔

اور اگر ہمیں اس باب میں نقلی دلائل سے کوئی واضح حکم نہ ملے تب بھی عملی اصول اور فقہی قواعد کی رو سے بھی قاعدۂ طہارت جاری کرتے ہوئے ہم اہل کتاب کی طہارت کا نتیجہ لے سکتے ہیں۔ رہی بات مشرکین کی طہارت ونجاست کی، تو اس حوالے سے اگرچہ متأخرین میں سے بعض فقہاء اس مسئلہ میں تردد کا شکار ہیں، لیکن شیعہ فقہا کی اکثریت مشرکین کی ذاتی نجاست کی قائل ہے۔ بہت کم فقہاء ایسے ہیں جنہوں نے مشرکین کی طہارت کا فتویٰ دیا ہے۔

*۔ڈائریکٹر ریسرچ، البصیرہ، اسلام آباد

۳۔اہل کتاب کی نجاست کی تیسری دلیل اجماع بیان کی جاتی ہے، شریف مرتضٰی لکھتے ہیں:

"ومما انفردت به الامامية: القول بنجاسة سؤر اليهودي والنصراني وكل كافر۔۔۔ويدل على صحة ذلك مضافاً الى اجماع الشيعة عليه قوله جل ثناؤه انما المشركون نجس" (1)

یعنی: " یہودی، عیسائی اور ہر کافر کا جھوٹا نجس ہے، یہ نظریہ امامیہ کے منفردات میں سے ہے۔۔۔اجماع کے علاوہ اس پر خدا کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ مشرکین نجس ہیں۔"

شیخ طوسی کہتے ہیں:

"وايضا اجمع المسلمون على نجاسة المشركين والكفار اطلاقاً" (2)

یعنی: " تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ مشرکین اور کافر نجس ہیں۔"

ابن زہرہ حلبی کہتے ہیں:

"والثعلب والارنب نجسان بدليل الاجماع المذكور والكافر نجس بدليله ايضا۔" (3)

یعنی: " لومڑی اور خرگوش نجس ہیں کیونکہ ان کی نجاست پر اجماع ہے اور اسی دلیل (اجماع) کی بنا پر کافر بھی نجس ہے۔"

بعض فقہاء جو سمجھتے ہیں کہ قرآن اور روایت سے اہل کتاب یا دوسرے کفار کی نجاست ثابت نہیں ہوتی وہ بھی نجاست کے سلسلے میں اجماع کا سہارا لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ امام خمینیؒ اور آیت اللہ العظمٰی خوئیؒ نے باقی ادلہ کو رد کر دیا ہے۔ صرف اجماع پر انحصار کیا ہے۔ امام خمینیؒ کہتے ہیں:

" فتحصل من جميع ذلك ان لا دليل على نجاست اهل الكتاب ولاالملحدين ماعداالمشركين بل هي مقتضى الاخبار الكثيرةالدالة على جواز تزويج الكتابية واتخاذها ظئرا و تغسيل الكتابي للميت المسلم بعض الاحيان الى غير ذلك ويويدها مخالطة الائمة عليهم السلام وخواصهم مع العامةالغيرالمتحرزين عن معاشرتهم فالمسألة مع هذه الحال التي تراها لا ينبغي وقوع خطا عمن له قوم في الصناعة فيها فضلا عن اكابر اصحاب الفن۔۔۔۔" (4)

یعنی: " ان تمام مطالب کا خلاصہ یہ ہے کہ سوائے مشرکین کے نہ اہل کتاب کی نجاست پر کوئی دلیل ہے نہ ملحدین کی، بلکہ اکثر روایات دلالت کرتی ہیں کہ کتابیہ سے نکاح جائز ہے اور اسے

دایہ بنانا جائز ہے اور بعض مقامات پر کتابی کا مسلمان میت کو غسل دینا جائز ہے وغیرہ۔ نیز اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ ائمہ معصومینؑ اور آپ کے ساتھی ان لوگوں سے ملتے تھے جو اہل کتاب کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، لیکن اس کے باوجود ان افراد کی طرف خطا کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے جو اس فن کے ماہر ہیں خصوصاً ہمارے اکابر علماء۔۔۔"

آیت اللہ العظمیٰ خوئیؒ کہتے ہیں:

" ومن هنا يشكل الافتاء على طبق اخبار النجاسة الا ان الحكم على طبق روايات الطهارة اشكل لان معظم الاصحاب من المتقدمين والمتاخرين على نجاسة اهل الكتاب فالاحتياط اللزومي مما لا مناص عنه في المقام" (5)

یعنی: " اسی وجہ سے روایات نجاست کے تحت فتوی دینا مشکل ہے اور روایات طہارت کے تحت حکم لگانا اور بھی مشکل تر ہے کیونکہ متقدمین اور متاخرین میں سے اکابر فقہاء اہل کتاب کی نجاست کے قائل ہیں لہٰذا احتیاط واجب یہی ہے۔ اس مقام پر اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔"

دلیل اجماع بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

(i) متقدمین اور متاخرین میں سے بہت سے فقہاء اہل کتاب کی طہارت کے قائل ہیں۔

ابن جنید کہتے ہیں:

" ولو تجنب من اكل ما صنعه اهل الكتاب من ذبائحهم وفي آنيتهم وكذلك ما صنع في اوانى مستحلى الميتة ومواكلتهم مالم يتيقن طهارة اوانيهم وايديهم كان احوط" (6)

یعنی: " احتیاط یہ ہے کہ اہل کتاب کے ذبائح اور ان کے برتنوں سے اجتناب کیا جائے۔ اسی طرح جو مردار کو حلال سمجھتے ہیں ان کے برتنوں اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز کیا جائے۔ جب تک ان کے برتنوں اور ہاتھوں کی طہارت کا یقین نہ ہو جائے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب اگر ہاتھوں کو دھو لیں تو پاک ہیں۔ اگر ذاتی نجاست ہوتی تو دھونے سے کیسے پاک ہو سکتی تھی۔

شیخ مفیدؒ کا قول نقل کرتے ہوئے محقق حلی کہتے ہیں:

" للمفید قولان احدھما النجاسة ذکرہ فی اکثر کتبہ والآخر الکراھیة ذکرہ فی الرسالة الغریة (7)"

یعنی: "اس کے بارے میں شیخ مفید کے دو قول ہیں۔ ایک نجاست کا جو انھوں نے اپنی اکثر کتب میں ذکر کیا ہے۔ دوسرا کراھت کا جو رسالہ الغریہ میں ذکر کیا ہے۔"

شیخ طوسی کہتے ہیں:

" ویکرہ ان یدعو الانسان احدًا من الکفار الی طعامہ فیأکل معہ فان دعاہ فلیأمرہ بغسل یدیہ ثم یاکل معہ انشاء اللہ۔" (8)

یعنی: " مکروہ ہے کہ انسان کفار کو کھانے کی دعوت دے اور ان کے ساتھ مل کر کھائے۔ اگر بلاتا ہے تو انھیں ہاتھ دھونے کے لیے کہے پھر اس کے ساتھ کھا سکتا ہے۔"

سید محمد موسوی عاملی نے اگرچہ صراحت کے ساتھ اہل کتاب کی طہارت کا فتویٰ نہیں دیا لیکن نجاست کی ادلہ کو رد کرتے ہیں اور طہارت کی ادلہ کی تائید کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

" ویمکن الجمع بین الاخبار باحدامرین: اما حمل ھذہ علی التقیة اوحمل النھی فی الاخبار المتقدمہ علی الکراھة ویشھد للثانی مطابقتہ لمقتضی الاصل۔۔۔" (9)

یعنی: " ان روایات کو دو طریقوں سے جمع کیا جا سکتا ہے یا ان روایات طہارت کو تقیہ پر محمول کریں یا روایات نجاست میں موجود نہی کو کراہت پر محمول کیا جائے۔ دوسری وجہ بہتر ہے کیونکہ اصل اسی کا تقاضا کرتی ہے۔"

ملا محسن فیض کاشانی کہتے ہیں:

یعنی: " مذکورہ احادیث اہل کتاب کی نجاست پر دلالت نہیں کرتیں کیونکہ اولاً تو یہ نہی ان کے خبث باطنی کی وجہ سے ہو دوسرا یہ کہ بہت سی احادیث میں اہل کتاب سے اجتناب کی وجہ یہ تھی کہ وہ نجاسات سے پرہیز نہیں کرتے تھے نہ کہ ان کی ذاتی نجاست کی وجہ سے۔" (10)

رضا ہمدانی کہتے ہیں:

" والحاصل انہ لا یجوز طرح الاخبار الدالة علی الطھارة او المؤیدة لھا التی لا تتنا ھی کثرة بمثل ھذہ التلقیقات التی تشبث بھا القائلون بالنجاسة۔" (11)

یعنی: "خلاصہ یہ کہ صحیح نہیں ہے کہ ان روایات کو چھوڑ دیا جائے جو طہارت پر دلالت کرتی ہیں یا کم از کم ان کی تائید کرتی ہیں۔ صرف ان توجیہات کی بنا پر جو نجاست کے قائل افراد نے کی ہے۔"

اہل کتاب کی طہارت و نجاست کے متعلق پوچھے گئے فتویٰ کے بارے میں سید محسن الحکیمؒ نے جواب دیا:

"الکتابی طاھرا ذا کان طائراً من النجاسات التی یساورھا کالبول والمنی والدم والخمر وغیرھا فاذا کان طاھرا من ھذہ النجاسات کان سورھا طاھرا ویجوز اکل طعامہ وشرابہ۔" (12)

یعنی: "اہل کتاب پاک ہے جب وہ پیشاب، منی، خون، شراب جیسی ظاہری نجاسات سے پاک ہو۔ جب وہ ان نجاسات سے پاک ہو تو اس کا جھوٹا بھی پاک ہے اور اس کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے۔"

رہبر معظم سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی طہارت اہل کتاب کے متعلق فرماتے ہیں:

"النجاسۃ الذاتیۃ لاھل الکتاب غیر معلومۃ بل نری انھم محکومون بالطھارۃ ذاتاً۔" (13)

"اہل کتاب کی نجاست ذاتیہ پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک وہ ذاتاً پاک ہیں۔"

آیت اللہ فاضل لنکرانی کہتے ہیں:

"کافر جو کہ خدا کا اعتقاد نہیں رکھتا یا خدا کے لیے شریک قرار دیتا ہے یا رسول عربیؐ کی نبوت کا قائل نہیں ہے نجس ہے مگر اہل کتاب پاک ہیں۔" (14)

آیت اللہ سیستانی مدظلہ العالی کہتے ہیں:

یعنی: "اہل کتاب جو کہ آنحضرتؐ کی نبوت کے قائل نہیں ہیں مشہور قول کی بنا پر نجس ہیں لیکن ان کی طہارت کے قائل ہونا بعید نہیں ہے۔" (15)

آیت اللہ محمد صادق روحانی کہتے ہیں:

یعنی: "اہل کتاب یعنی یہود، نصاری اور مجوسی پاک ہیں۔" (16)

آیت اللہ وحید خراسانیؒ کہتے ہیں:

"اما اھل کتاب یعنی یھودی و نصاری اقویٰ طہارت آنھا است ھرچند احوط اجتناب است" (17)

یعنی: "اس کے علاوہ بھی کئی فقہاء نے اہل کتاب کی طہارت کا فتویٰ دیا ہے طوالت کے خوف سے ان کے ذکر سے صرف نظر کرتے ہیں۔ پس اتنے فقہاء کی مخالفت کے باوجود کیسے کہہ سکتے ہیں کہ شیعہ کا اجماع ہے۔"

(ii)اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اجماع وہی حجت ہے جو امام معصومؑ کی رائے کو کشف کرے۔ لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اجماع قطعی ہو۔ جبکہ مذکورہ اجماع ایسا نہیں ہے کیونکہ ایک تو بہت سے فقہاء اہل کتاب کی طہارت کے قائل ہیں دوسرا یہ کہ وہ فقہا جو نجاست کے قائل ہیں ان میں سے بھی بہت سے فقہا اس دلیل میں تردد کا شکار ہیں۔ اسی لیے تو اجماع کے علاوہ آیات اور روایات کا سہارا لیا ہے۔ پس جب اجماع قطعی نہیں ہے تو رائے معصوم کا قطع بھی نہیں ہے لہٰذا قابل اعتبار نہیں ہے۔

(iii) علم اصول میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ اجماع حجت ہے جس سے امام معصوم سے حکم کے صدور کا یقین ہو اور مدرک نہ ہو۔ کیونکہ اگر اجماع کس مدرک کی بنا پر ہو تو اسی مدرک کو دیکھا جائے گا۔ اجماع کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر مدرک قابل اعتبار ہے تو اس پر عمل ہو گا وگرنہ نہیں اور یہاں اجماع مدد کی ہے کیونکہ نجاست اہل کتاب پر قرآن اور روایات سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔

اہل کتاب کی طہارت کے دلائل

الف۔ قرآن کریم میں خدا فرماتا ہے:

" اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ " (18)

یعنی: "آج تمھارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

اس آیت میں اہل کتاب کے کھانے کو مسلمانوں کے لیے حلال قرار دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کھانے پاک ہیں کیونکہ نجس کھانے حلال نہیں ہوتے۔ کھانے کے ساتھ ان کا بدن مس ہوتا ہے۔ اگر وہ نجس ہوتے تو کھانے بھی نجس ہو جانے اور برتن بھی۔ جب کھانا اور برتن مس کرنے کے بعد بھی پاک ہیں تو پھر اہل کتاب بھی پاک ہیں۔

مذکورہ استدلال اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب طعام سے مراد کھانا ہو۔ اگر اس سے مراد خشک غلہ ہو تو پھر استدلال صحیح نہیں ہے۔ بعض افراد کہتے ہیں کہ طعام سے مراد غلات ہیں اور اس کے لیے انھوں نے اہل لغت اور بعض روایات کا سہارا لیا ہے محقق بحرانی کہتے ہیں:

" فان الظاهر من الاخبار المؤيدة بكلام جملة من افاضل اهل اللغة هو تخصيص ذلك بالحنطة وغيره ها من الحبوب اما حقيقة او تغليبا بحيث غلب استعماله فيها" (19)

یعنی: ''اخبار و روایات سے جو ظاہر ہوتا ہے اور اہل لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ طعام سے مراد گندم اور دالیں وغیرہ ہیں۔ طعام کا حقیقی یا غالبی معنی یہی ہے۔''

صاحب الجواھر کہتے ہیں:

لا ینبغی الاصغاء للاستدلال علی الطھارۃ ایضا بقولہ تعالیٰ ''وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔۔۔''بعد ورود الاخبار المعتبرۃ وفیھا الصحیح والموثق وغیرہ بارادۃ العدس والحبوب والبقول من الطعام سیما مع تائید ھا بما عن المصباح المنیر انہ اذا اطلق اھل الحجاز الطعام عنویہ البرخاصۃ۔۔۔'' (20)

یعنی: ''اہل کتاب کی طہارت پر خداوند کریم کے قول (و طعام الذین) ان کے کھانے تمھارے لیے حلال ہیں سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سی صحیح اور موثق روایات میں طعام سے مراد دال، غلات اور سبزیاں لی گئی ہیں اور اس کی تائید مصباح المنیر کا یہ قول بھی کرتا ہے کہ جب اہل حجاز جب طعام کہتے ہیں تو اس سے مراد گندم لیتے ہیں۔''

محقق اردبلی کہتے ہیں:

یعنی: ''آیت طعام الذین اوتواالکتاب حل لکم اہل کتاب کی طہارت پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ طعام فی نفسہ حرام نہیں ہے بلکہ حلال ہے۔ یہ نجاست کے ملنے کی وجہ سے نجس ہوا ہے۔ دوسرا یہ کہ اہل لغت کہتے ہیں کہ طعام سے مراد گندم ہے۔'' (21)

روایات

(i)قتیبہ الاعشی کہتے ہیں کہ ایک شخص امام صادقؑ سے ''الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتواالکتاب حل لکم'' کے متعلق پوچھا تو فرمایا: ''کان ابی علیہ السلام یقول انما ھوالحبوب واشباھا'' (22) یعنی: ''میرے والد کہتے تھے کہ اس سے مراد غلات وغیرہ ہیں۔''

(ii)ابی جارود کہتے ہیں کہ میں نے امام باقرؑ سے طعام الذین اوتواالکتاب کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: '' الحبوب والبقول'' (23) یعنی: '' دالیں اور سبزیاں''

ہشام بن سالم روایت کرتے ہیں کہ امام صادقؑ سے وطعام الذین اوتوا۔۔۔کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''العدس والحمص وغیر ذلك'' (24) یعنی: '' غلات اور دالیں وغیرہ'' جواب: ہم کتب لغت کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کسی بھی اہل لغت نے طعام کے معانی غلہ یا دالیں نہیں کیا بلکہ اس کے معنی کھانے کے کیے ہیں ہاں بعض اوقات اس سے گندم مراد لی گئی ہے۔ البتہ یہ بھی درحقیقت ایک مصداق ہے نہ معنی۔

جواہری کہتے ہیں:

'' الطعام ما یوکل و ربما خص بالطعام البر وفی حدیث ابی سعید ﷺ کنا نخرج صدقة الفطر علی عهد رسول الله(ص) صاعاً من طعام'' (25)

یعنی: '' طعام ہر اس شے کو کہتے ہیں جو کھائی جائے بعض اوقات اسے گندم کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے جیسا کہ ابی سعید کی روایت ہے کہ ہم رسول خداؐ کے دور میں گندم کا ایک صاع فطریہ کے طور پر دیتے تھے۔''

ابن فارس زکریا کہتے ہیں: '' الطعام هو الماکول وکان بعض اهل اللغة یقول الطعام هو البر خاصة وذکر حدیث ابی سعید'' (26) یعنی: '' طعام ہر کھانے والی شے کو کہتے ہیں، بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ طعام صرف گندم کو کہتے ہیں۔ اس دلیل میں وہ ابی سعید کی روایت کو ذکر کرتے ہیں۔''

ابن اثیر کو کہتے ہیں: ''الطعام عام فی کل ما یقتات من الحنطة والشعیر والتمر وغیر ذلك ''یعنی: '' گندم، جو، کھجور وغیرہ میں سے جو شے کھائی جاتی ہے اسے طعام کہتے ہیں۔'' (27)

خلیل فراھیدی کہتے ہیں: '' الطعام جامع لکل ما یؤکل'' (28) یعنی: '' ہر کھانے کو طعام کہتے ہیں۔''

شیخ طریحی کہتے ہیں: ''الطعام ما یؤکل'' (29) یعنی: '' ہر کھانے کو طعام کہتے ہیں۔''

ابن منظور کہتے ہیں: '' الطعام اسم جامع لکل ما یؤکل'' (30) یعنی: '' ہر کھانے کو طعام کہتے ہیں۔''

قرآن کریم میں لفظ طعام مذکورہ آیت کے علاوہ ۲۱ بار آیا ہے۔ یہاں ان آیات کو ذکر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ غالب طور پر کس معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(i) '' وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَن نَّصْبِرَ عَلَى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا'' (31)

یعنی: ''اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ اپنے رب سے کہیے کہ ہمارے لیے زمین سے اگنے والی چیزیں فراہم کرے۔ جیسے ساگ، ککڑی، لہسن، گیہوں، مسور اور پیاز وغیرہ''

اس آیت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ غلات اور سبزیوں کے علاوہ دوسری چیزوں پر بھی طعام بولا گیا ہے۔

(ii) '' مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ '' (32)

یعنی: ''عیسی ابن مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزرے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ ہیں، دونوں کھانا کھاتے ہیں۔''

(iii) '' وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ '' (33)

یعنی: '' اور وہ کہتے ہیں یہ کیسا رسولؐ ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔''

(iv) '' وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ '' (34)

یعنی: '' اور ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے ہیں جو کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔''

(v) ''وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا '' (35)

یعنی: '' اور اپنی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

(vi) '' كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ '' (36)

یعنی: '' بنی اسرائیل کے لیے ہر قسم کا کھانا حلال تھا مگر ان چیزوں کے جو تورات کے نازل ہونے سے پہلے اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر دی تھیں۔''

(vii) ''وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ '' (37)

یعنی: ''اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔''

(viii) '' يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا '' (38)

یعنی: '' اے ایمان والوں نبی کے گھر میں داخل نہ ہونا مگر یہ کہ تمھیں کھانے کی اجازت دی جائے اور نہ ہی پکنے کا انتظار کرو لیکن جب دعوت دی جائے تو داخل ہو جاؤ۔''

(ix) '' قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَن يَأْتِيَكُمَا '' (39)

یعنی: " یوسف نے کہا کہ جو کھانا تمھیں دیا جاتا ہے وہ نہیں آئے گا اور میں تمھیں اس سے پہلے تعبیر بتا دوں گا۔"

(x)" فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ" (40)

یعنی: " اپنے کھانے اور پانی کی طرف دیکھ کہ وہ بھی خراب نہیں ہوا۔"

واضح ہے کہ ان آیات میں طعام سے مراد کھانا ہے نہ کہ گندم یا دوسرے غلات۔ بالفرض اگر طعام کا معنی گندم یا دوسرے غلات ہیں تب بھی قرآن میں دوسری جگہوں پر طعام جس معنی میں استعمال ہوا ہے سورہ مائدہ کی مذکورہ آیت میں بھی وہی معنی مراد لیا جائے گا۔ رہا روایات میں گندم یا دالوں کا ذکر تو یہ ایک مصداق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض میں سبزیاں کا ذکر ہے، بعض میں دالوں کا اور بعض میں گندم کا۔ اس سلسلے میں درج ذیل روایات بھی قابل غور ہے۔

اسماعیل بن جابر کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے اہل کتاب کے کھانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا مت کھائو۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا مت کھا۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا:

" لا تأكله ولا تتركه تقول انه حرام ولكن تتركه تنزها عنه ان في انيتهم الخمر ولحم الخنزير" (41)

یعنی: " نہ کھاؤ اور یہ کہتے ہوئے ترک نہ کرو کہ یہ حرام ہے بلکہ اس وجہ سے اجتناب کرو چونکہ ان کے برتنوں میں شراب اور خنزیر کا گوشت ہوتا ہے۔"

دوسرا یہ کہ اگر طعام سے مراد گندم اور دالیں ہوں تو آیت میں اس کا ذکر غیر ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ یہ چیزیں پاک ہیں اور طیبات کے تحت آجاتی ہیں الیوم احل لکم الطیبات پس دوبارہ ان کا ذکر غیر ضروری ہے۔ پھر یہ بھی کہ گندم اور دوسرے غلات تو مشرکین سے بھی لیے جاسکتے ہیں پھر اہل کتاب کی قید لگانا معقول نہیں ہے۔

اہل کتاب کی طہارت پر دلالت کرنے والی روایات

اہل کتاب کی طہارت پر دلالت کرنے والی روایات اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ فقہاء جو اہل کتاب کی نجاست کے قائل ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ روایات بہت زیادہ ہیں۔ ان میں صحیح اور معتبر روایات بھی ہیں اور دلالت کے لحاظ سے روایات نجاست سے واضح تر بھی ہیں۔ صاحب الجواہر کہتے ہیں:

یعنی: " یہ روایات جو نجاست پر دلالت کرتی ہیں اگرچہ ان روایات سے کم ہیں جو طہارت پر دلالت کرتی ہیں، نیز ان روایات میں صحیح اور معتبر روایات بھی ہیں بلکہ اگر امامیہ کے نزدیک نجاست کا حکم معلوم نہ ہوتا تو ان پر عمل کرنا زیادہ مناسب ہوتا۔" (42)

اب ہم ان روایات کو ذکر کرتے ہیں جو اہل کتاب کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔

ا۔ عیص ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے یہودی، عیسائی اور مجوسی کے ساتھ کھانا کھانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

"ان کان من طعامك فتوضا فلا بأس به" (43)

یعنی: " اگر کھانا آپ کا ہو اور وہ ہاتھ دھولے تو کوئی ہرج نہیں۔"

ہاتھوں کو دھونے کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ دھونے سے اس کے ہاتھ پاک ہو جائیں گے۔ اس کا پاک ہونا ذاتی نجاست کے منافی ہے۔ پس معلوم ہوا وہ ذاتی طور پر نجس نہیں ہیں کیونکہ ذاتی نجاست دھونے سے پاک نہیں ہوتی۔

آیت اللہ محسن الحکیم اس روایت کی توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یعنی: " اس روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانا جائز ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ایک برتن میں مل کر کھانا جائز ہے۔ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا ان کے پاک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ ہاتھوں کا دھونا بھی درحقیقت کھانے کے آداب میں شامل ہے۔ اس لیے کہا ہے نہ کہ پاک ہونے کے لیے۔" (44)

یہ توجیہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاً کوئی شخص نجس العین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پسند نہیں کرتا۔ دوسرا یہ بھی تصور نہیں کیا جاسکتا کہ نجاست بدن برتنوں اور دستر خوان کی طرف سرایت نہ کرے خصوصاً جبکہ وہ گیلے بھی ہو۔ انھیں ہاتھوں کے دھونے کے متعلق کہنے سے نجاست تو سرایت کر جائے گی۔

۲۔ ابراہیم ابن ابی محمود کہتے ہیں کہ میں نے امام رضاؑ سے کہا:

" الجارية النصرانية تخدمك وانت تعلم انها نصرانية لا تتوضا ولا تغتسل من جنابة قال: لا باس تغسل يديها۔" (45)

یعنی: ''آپ کی خدمت کرنے والی کنیز عیسائی ہے اور آپ جانتے بھی ہیں کہ وہ عیسائی ہے وضو اور غسل جنابت نہیں کرتی فرمایا کوئی بات نہیں وہ ہاتھ دھو لیتی ہے۔''

۳۔ابراہیم ابن ابی محمود کہتے ہیں کہ میں نے امام رضاؑ سے عرض کیا:

''الخیاط او القصار یکون یهودیا او نصرانیاً و انت تعلم انه یبول و لا یتوضا ما تقول فی عمله قال لا بأس'' (46)

یعنی: '' درزی یا رنگساز جو کہ یہودی یا عیسائی ہے اور آپ جانتے بھی ہیں کہ وہ پیشاب کرتا ہے اور دھوتا نہیں ہے اس کے کام کے متعلق کیا فرماتے ہیں فرمایا کوئی حرج نہیں۔''

اسی روایت کے ذیل میں آیت اللہ خوئیؒ کہتے ہیں:

''درزی کی مثال سے اہل کتاب کی طہارت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگرچہ وہ ذاتی طور پر نجس ہے لیکن جس لباس کو سی رہا ہے وہ نجس نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ لباس کو اس نے گیلے ہاتھوں سے نہ چھوا ہو۔ البتہ رنگساز کے ہاتھ تو یقیناً گیلے ہوتے ہیں اور انہی ہاتھوں سے کپڑوں کو چھوتا ہے۔ لہٰذا یہ بات اہل کتاب کی طہارت ذاتیہ پر دلالت کرتی ہے۔''

۴۔ محمد ابن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امامؑ سے اہل کتاب کے برتنوں کے متعلق پوچھا تو فرمایا:

''لا تأکلوا فی انیتهم اذا کانوا یاکلون فیه المیتة و دم و لحم الخنزیر''

یعنی: '' ان برتنوں میں نہ کھاؤ جن میں وہ مراد، خون اور سوَر کا گوشت کھاتے ہیں۔ (47)

اس روایات کے مطابق ان برتنوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے جن میں نجس غذائیں استعمال نہیں ہوتیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خود اہل کتاب نجس نہیں ہیں۔ ان کی وہ چیز نجس ہیں جن میں وہ نجس اشیاء استعمال کرتے ہیں۔

۵۔ عمار ابن موسیٰ ساباطی کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے پوچھا کیا اس پیالے یا برتن کے پانی سے وضو کیا جاسکتا ہے جس میں یہودی نے پانی پیا ہو؟ فرمایا:

''نعم فقلت من ذلك الماء الذی یثرب منه قال نعم'' (48)

یعنی: '' ہاں میں نے کہا اس پانی سے جس سے اس نے پیا ہے فرمایا ہاں۔''

یہودی کے جھوٹے پانی سے وضو کا صحیح ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ پانی نجس نہیں ہوا۔ جب پانی نجس نہیں ہوا تو اس کا مطلب ہے۔ یہودی نجس نہیں ہے۔

۶۔ابن سنان کہتے ہیں کہ میرے والد نے امام صادقؑ سے پوچھا کہ میں نے ذمی کو اپنا لباس عاریۃً دیا تھا اور میں جانتا ہوں کہ یہ شراب پیتا ہے اور خنزیر کا گوشت کھاتا ہے جب وہ واپس دیتا ہے تو کیا اس میں نماز پڑھنے سے پہلے دھونا ضروری ہے فرمایا:

”صل فیه ولا تغسله من اجل ذلك فانك اعرته ایاه وهو طاهر ولم تستیقن انه نجسه فلا باس ان تصلی فیه حتی تستیقن انه نجسه“ (49)

یعنی: ” اس میں نماز پڑھ لو، اس وجہ سے اسے دھونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب تو نے دیا تھا تو پاک تھا اور تمھیں اس کے نجس ہونے کا یقین نہیں ہے، لہٰذا اس میں نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کے نجس ہونے کا یقین ہو جائے۔“

۷۔زکریا ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے کہا کہ ہم اہل کتاب میں سے تھے، میں مسلمان ہو گیا ہوں جبکہ باقی گھر والے عیسائی ہیں۔ میں ان کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں۔ ان سے جدا نہیں ہو سکتا، کیا ان کے ساتھ کھانا کھا سکتا ہوں۔ فرمایا کیا وہ خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں البتہ شراب پیتے ہیں، فرمایا ان کے ساتھ کھا پی سکتا ہے۔ (50)

۸۔ابن وھب کہتے ہیں کہ امام صادقؑ سے اس مرد مومن کے متعلق پوچھا گیا جو یہودیہ اور عیسائی خاتون سے شادی کرنا چاہتا ہے تو فرمایا:

”اذا اصاب المسلمة فما یصنع بالیهودیة النصرانیة ؟ فقلت له: یکون له فیها الهویٰ فقال ان فعل فلیمنعها من شرب الخمر واكل الخنزیر“ (51)

یعنی:- ” جب مسلمان خاتون موجود ہے تو پھر یہودیہ اور نصرانیہ کیوں؟ میں نے کہا اسے وہ پسند ہیں۔ فرمایا اگر وہ عقد کرتا ہے تو اسے شراب پینے اور خنزیر کا گوشت کھانے سے منع کر دے۔“

ان کے علاوہ اور بھی روایات موجود ہیں جو اہل کتاب کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں جنھیں احادیث کی کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

روایات کا نتیجہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ روایات طہارت تعداد کے لحاظ سے بھی زیادہ ہیں اور ان کی دلالت بھی واضح ہے۔ اس کے باوجود اگر دونوں قسم کی روایات کو برابر مان لیا جائے تو تعارض کی صورت میں

جمع عرفی ممکن ہے۔ اس طرح کہ روایات نجاست میں موجود نہی کو کراہت پر محمول کیا جائے۔ یہ جمع عرفی اس قدر واضح ہے کہ وہ فقہاء جو نجاست اہل کتاب کے قائل ہوئے ہیں وہ بھی اسے تسلیم کرتے ہیں اور اس سے انکار کو غیر معقول سمجھتے ہیں، آیت اللہ خوئی کہتے ہیں:

"ان القاعدہ تقتضی العمل باخبار الطہارۃ وحمل اخبار النجاسۃ علی الکراھۃ واستحباب التنزہ عنھم" (52)

یعنی: "قاعدے کی رو سے اخبار طہارت پر عمل ضروری ہے اور اخبار نجاست کو کراہت پر محمول کیا جائے اور ان سے اجتناب مستحب ہے۔"

آیت اللہ خمینیؒ کہتے ہیں:

"مقتضی الجمع بینھما و بین ما تقدم حمل النھی علی الکراھۃ لاحتمال النجاسۃ العرضیہ۔۔۔" (53)

یعنی: "ان روایات اور سابقہ روایات کے درمیان جمع اس طرح ہو سکتی ہے کہ نہی کو کراہت پر محمول کیا جائے کیونکہ نجاست عرضیہ (یعنی گندگی) کا بھی احتمال ہے۔"

قاعدہ طہارت

اگر کسی شئے کے حکم واقعی پر کوئی نقلی دلیل موجود نہ ہو تو فقہی قواعد اور اصول عملیہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اگر ہم قرآن و سنت کے لحاظ سے گذشتہ ادلہ کو ناکافی سمجھتے ہیں تو اصل عملیہ اور قواعد فقیہ کی رو سے اہل کتاب پاک ہیں، کیونکہ قاعدہ طہارت کی رو سے جب کسی شئے کی نجاست اور طہارت میں شک ہو تو وہ شئے پاک ہے۔

طہارت و نجاست مشرکین

حقیقت مشرک

مشرک ایک ایسا عام مفہوم ہے جو درج ذیل قسم کے افراد پر بولا جاتا ہے۔

۱۔ وہ افراد جو خدا کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک قرار دیتے ہیں جیسا کہ بت پرست افراد ہیں۔

۲۔ وہ افراد جو خالقیت، ربوبیت، تدبیر عالم میں خدا کے ساتھ کسی اور شریک ٹھہراتے ہیں۔

شیعہ فقہا کی اکثریت مشرکین کی نجاست ذاتیہ کی قائل ہے۔ حتیٰ کہ وہ فقہاء جو اہل کتاب کی طہارت کے قائل ہیں ان میں سے بھی بہت سے افراد مشرکین کی نجاست کے قائل ہیں۔ متاخرین میں سے بعض

فقہاء اس مسئلہ میں تردد کا شکار ہیں اور مشرکین کی نجاست پر دلالت کرنے والی ادلہ کو ناکافی سمجھتے ہیں۔ اسی لیے احتیاط واجب کے عنوان سے انھیں نجس سمجھتے ہیں۔ بہت کم فقہاء ایسے ہیں جنھوں نے مشرکین کی طہارت کا فتویٰ دیا ہے۔

ادلہ نجاست مشرکین

ان کی نجاست کے لیے انہی ادلہ کا سہارا لیا گیا ہے جن سے اہل کتاب کی نجاست پر استدلال کیا گیا ہے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مذکورہ ادلہ نجاست پر دلالت نہیں کرتیں۔ بعض فقہاء نے آیت: كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ (۶۔انعام :۱۲۵) سے بھی استدلال کیا ہے۔

علامہ حلیؒ کہتے ہیں:

"ویمکن ان یکون مأخذھما قولہ کذلك یجعل۔۔والرجس، النجس" (54)

یعنی: "ممکن ہے ان دونوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہو کہ اس طرح اللہ غیر مومنوں پر رجس کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور رجس کے معنی نجس کے ہے۔"

امام خمینیؒ مشرکین کی نجاست کی ادلہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ

"كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ"

کیونکہ رجس نجاست کو کہتے ہیں جیسا کہ قرآن میں

"لحم خنزیر فانہ رجس"

یعنی: "خنزیر کا گوشت کہ یہ نجس ہے۔"

نیز وہ روایت بھی جس سے خیر ان خادم نے امامؑ سے پوچھا کہ اس کپڑے میں نماز پڑھی جا سکتی ہے جسے شراب لگی ہو یا خنزیر کا گوشت لگا ہو فرمایا:

"لا تصل فیہ فانہ رجس"

یعنی: "اس میں نماز نہ پڑھو کیونکہ یہ نجس ہے۔"

اسی طرح صحیحہ ابی عباس ہے جس میں انھوں نے کتے کے بارے میں امام صادقؑ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

" رجس نجس لایتوضا بفضلہ" (55)

یعنی: " یہ نجس ہے اس کے جھوٹے سے وضو نہیں ہو سکتا۔"

پس معلوم ہوا رجس کے معنی نجس کے ہیں۔ یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ لغت میں رجس کے معنی گندگی اور کثافت کے ہیں نہ کہ نجاست کے بلکہ قرآن اور احادیث میں بھی عام طور پر یہی معنی مراد لیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ مائدہ میں ہے۔

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" (56)

"اے ایمان والو شراب، جوا، بت، پانسے یہ سب گندے شیطانی عمل ہیں لہذا ان سے پرہیز کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔"

سورہ یونس میں ہے:

"وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لاَ يَعْقِلُوْنَ" (57)

یعنی: " اور ان لوگوں پر خباثت کو مسلط کر دیا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے"

" فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الأَوْثَانِ " (58)

یعنی: " پس تم بتوں کی پلیدی سے اجتناب کرو"

" وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ" (59)

یعنی: " اور جن کے دلوں میں بیماری ہے ان کی خباثت پر مزید خباثت کا اضافہ کر دیا ہے۔"

پس چونکہ مشرکین کی نجاست پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہذا اصل عملی یعنی قاعدہ طہارت کی رو سے وہ بھی پاک ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔شریف مرتضٰی (۴۳۶)، الانتصار، موسسہ النشر الاسلامی، قم، ایران، طبع ۱۴۱۵، ص ۱۶۵ حکم سور الکافر

2۔شیخ طوسی (۴۶۰) تہذیب الاحکام، دار الکتب الاسلامیۃ، طہران، طبع دوئم، ج۱، ص ۲۲۳

3۔ابن زہرہ حلبی (۵۸۵) غنیۃ النزوع موسسہ امام صادق، قم، ایران طبع اول، ۱۴۱۷، ص ۴۴

4۔کتاب الطہارۃ، طبعۃ مہر، قم، ایران، ج ۳، ص ۳۰۶

5۔کتاب الطھارۃ، دار الھادی للمطبوعات، قم، ایران، طبع دوئم، ۱۴۱۰ھ، ج ۲، ص ۵۶

6۔شہید ثانی (۹۶۶) مسالک الافہام، موسسہ المعارف الاسلامیہ، قم، ایران، طبع اول ۱۴۱۷ھ، ج ۱۲، ص ۶۶

7۔محقق حلی (۶۷۶) المعتبر، موسسہ سید الشھداء، قم، ایران، طبع ۱۳۶۴ش، ج۱، ص ۹۲

8۔طوسی (۴۶۰) النھایۃ، انتشارات قدس محمدی، قم، ایران، ص ۵۸۹

9۔محمد عاملی (۱۰۰۹) مدارک الاحکام، موسسہ ال البیت لاحیاء التراث، قم، ایران، طبع اول، ۱۴۱۰ھ، ج ۲، ص ۲۹۸

10۔رضا ہمدانی (۱۳۲۲) مصباح الفقیہ، منشورات مکتبۃ الصدر طہران، ایران، ج۱، ص ۲، ص ۵۶۲

11۔رضا ہمدانی (۱۳۲۲) مصباح الفقیہ، منشورات مکتبۃ الصدر طہران، ایران، ج۱، ص ۲، ص ۵۶۲

12۔جناتی، طھارۃ الکتابی فی فتوی السید الحکیم، ص ۲۷

13۔اجوبۃ الاستفتائات، الدار الاسلامیہ، بیروت، لبنان، طبع سوئم، ۱۹۹۹ء، ج ۹۵، ص ۳۲۰

14۔توضیح المسائل، مہر، قم، ایران، طبع ۷، ص ۲۲، مسئلہ ۱۰۹، ۱۱۴

15۔توضیح المسائل، مہر، قم، ایران، طبع ۴، ص ۲۵، مسئلہ ۱۰۷

16۔توضیح المسائل، سپھر، قم، ایران، طبع ۱۸، ص ۲۱، مسئلہ ۱۰۸

17۔توضیح المسائل، مدرسہ باقر العلومؑ، قم، ایران، طبع ۱۴۲۱، ص ۲۱۰، مسئلہ ۱۰۷

18۔مائدہ: ۵

19۔محقق بحرانی (۱۱۸۶) الحدائق الناضرۃ، موسسہ النشر الاسلامی قم، ایران، ج ۵، ص ۱۷۰

20۔شیخ جواہری (۱۲۶۶) جواھر الکلام، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران، طبع دوئم، ج ۶، ص ۴۳

21۔محقق اردبیلی (۹۹۳) مجمع الفائدہ، منشورات، جماعۃ المدرسین، قم ایران، ج۱، ص ۳۲۲

22۔کلینی (۳۲۰) کافی۔۔۔۔ج ۶، ص ۲۴۰، باب ذبائح اہل الکتاب، ح ۱۰

23۔کلینی (۳۲۹) کافی۔۔۔۔۔ج ۶، ص ۲۶۴)

24۔صدوق (۳۸۱) من لایحضرہ الفقیہ، منشورات، جماعۃ المدرسین، قم، ایران، ج ۳، ص ۳۴۷، ح ۴۲۱۹
25۔جواھری (۳۹۳)، الصحاح دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، طبع چہارم، ۱۹۸۷، ج ۵، ص ۱۷۲۱، طعم کے ذیل میں
26۔ابن فارس (۳۹۵) معجم مقاییس اللغۃ، مکتبۃ الاعلام الاسلامی، طبع ۱۴۰۴، ج ۳، ص ۴۱۰، طعم کے ذیل میں
27۔ابن اثیر (۶۰۶) النھایۃ فی غریب الحدیث، موسسہ اسماعیلیان، قم، ایران، ج ۳، ص ۱۲۵، باب الطامع العین
28۔ خلیل فراھیدی (۱۷۵)، کتاب العین، موسسہ دار الھجرۃ، ایران، ج ۲، ص ۲۵
29۔ شیخ طریحی (۱۰۸۵) مجمع البحرین مکتب النشر الثقافۃ الاسلامیہ، طبع دوئم، ۴۰۸
30۔ابن منظور (۷۱۱) لسان العرب، نشر ادب الحوزہ، قم، ایران، طبع ۱۴۰۵، ج ۱۲، ص ۳۶۳
31۔بقرہ: ۶۱
32۔مائدہ: ۵۷
33۔فرقان: ۷
34۔فرقان: ۲۰
35۔انسان: ۸
36۔عمران: ۹۳
37۔ماعون: ۳
38۔احزاب: ۵۳
39۔یوسف: ۳۷
40۔البقرہ: ۲۵۹
41۔احمد بن محمد برقی (۲۷۴) المحاسن، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران، ج ۲، ص ۲۵۲، ح ۳۷۷
42۔ شیخ جواہری (۱۲۶۶) جواہر الکلام، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران، طبع دوئم، ج ۶، ص ۴۲
43۔ کلینی (۳۲۹) کافی۔۔۔ج ۶، باب طعام اہل الذمہ، ح ۳، ص ۲۶۳
44۔سید محسن الحکیم (۱۳۹۰) مستمسک العروۃ، منشورات مکتبۃ آیت اللہ مرعشی، قم ایران، طبع ۱۴۱۴، ج ۱، ص ۳۷۱
45۔طوسی (۴۶۰)، تہذیب الاحکام، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران، طبع سوئم، ج ۱، ص ۴۰۶، ح ۱۲۵۴
46۔طوسی۔۔۔ج ۶، ص ۳۸۵، ح ۱۱۴۲
47۔طوسی۔۔۔ج ۹، ص ۸۸، ح ۳۷۱
48۔طوسی (۴۶۰) الاستبصار، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران، طبع چہارم، ج ۱، ص ۱۸، ح ۳۸

49۔طوسی۔۔۔۔ج۱، ص ۳۹۳، ح ۱۴۹۷

50۔طوسی (۴۶۰) تہذیب الاحکام، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران، طبع چہارم، ج۹، ص ۸۷، ح ۳۶۹

51۔کلینی،۔۔۔۔۔ج۵، ص ۳۵۶، باب، نکاح الذمہ، ح۱

52۔خوئی، کتاب الطھارۃ، دار الھادی للمطبوعات، قم، ایران، ج۲، ص ۵۵

53۔امام خمینی، کتاب الطہارت، مطبعہ مہر، قم، ایران، ج۳، ص، ۳۰۴

54۔علامہ حلی (۷۲۶) منتھی المطلب، موسسہ الطبع والنشر فی الاستانۃ، الرضویہ، مشہد، ایران، طبع اول، ۱۴۱۲، ج۱، ص ۱۶۱

55۔کتاب الطھارۃ، مطبعہ مہر، قم، ایران، ج۳، ص ۵

56۔مائدہ: ۹۰

57۔یونس: ۱۰۰

58۔حج: ۳۰

59۔توبہ: ۱۲۵

مسند امام زید کا تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر سید حیدر عباس واسطی *

dr.shawasti@yahoo.com

کلیدی کلمات: مسند امام زید، ابو خالد واسطی، بنی اُمیہ، بنی عباس، زیدیہ، شیخ محمد ابو زہرہ مصری۔

خلاصہ:

حضرت زید بن علی کی ۱۲۲ ہجری میں شہادت کے بعد اُن سے منسوب زیدیہ فرقہ وجود میں آیا۔اس فرقہ کی ایک اہم کتاب مسند امام زید کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگوں کے مطابق حضرت زید کی شہادت کے آپ کے شاگرد عمرو بن خالد اور ابو خالد واسطی نے آپ سے سُنی ہوئی احادیث اور فقہی آراء کو دو کتابوں کی صورت میں شائع کیا۔ عبد العزیز بن اسحٰق بقال نے ۳۶۰ ھ میں ان کتابوں کو دوبارہ جمع کرنے کا کام مکمل کیا اور یہ کتابیں ۱۳۴۰ھ میں مُسند امام زیدؑ کے نام سے ایک کتاب کی شکل میں قاہرہ سے شائع ہوئیں۔

پاکستان میں زیدیہ فرقے کو فروغ دینے کی کوشش کی تسلسل میں مُسند امام زیدؑ کا ترجمہ شائع کیا گیا۔اس مقالہ میں اس کتاب کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالہ کے مطابق یہ اس کتاب کا حضرت زید شہید کے فرمودات سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اِس مجموعے کو اُن کی طرف نسبت دینا نہ تنہا علمی خیانت بلکہ ایک منظّم سازش ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق یہ کتاب دراصل، شیخ واسعی کی کاوش ہے۔

* ۔ ایم اے اسلامک اسٹڈیز، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی (جامعہ کراچی)

چونکہ حضرت زید شہید بن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تاریخ اسلام کی ایک اہم علمی شخصیت ہیں۔آپ نے ۱۲۲ھ ہجری میں بنو اُمیہ کے فسق وفجور کے خلاف امر بالمعروف وَ نہی عن المنکر کے احیاء کے لیے قیام کیا اور ایک خونریز جنگ لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ حضرت زید شہید علیہ السلام کے علم وعمل کی شہرت کے سبب اُن کی شہادت کے بعد ایک فرقہ وجود میں آیا، جس کے مشاہیر نے اس فرقہ کو حضرت زید شہید علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا جو زیدیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ وقت کے ساتھ ساتھ لوگ حضرت زید شہید کی علمی خدمات سے معترف ہوئے، تو اس فرقے میں لوگ جوق در جوق شامل ہونے لگے۔زیدیہ فرقہ کے مشاہیر نے حضرت زید شہید کی بیان کردہ احادیث اور فقہی آراء پر مشتمل ایک کتاب روشناس کرائی۔اس کتاب کے حوالے سے لوگوں کو یہ گُمان ہو گیا کہ حضرت زید شہید نے کسی موقع پر دعویٰ امامت کیا اور ائمہ اہلبیتؑ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام کی مخالفت کی اور حضرت زید شہید کے متعلق بنو اُمیہ اور بنو عباس کی جانب سے کیے گئے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر آپ سے بد ظن ہو گئے۔آج کل پاکستان میں میں بھی کچھ لوگ اس فرقے کو فروغ دے رہے ہیں اور مُسند امام زیدؑ نامی کتاب کا ترجمہ شائع کیا گیا ہے، جس کے سبب علم دوست افراد کی ایک بڑی تعداد حضرت زید شہید کی طرف منسوب کتاب مُسندِ امام زیدؑ کی اسناد کے متعلق جاننا چاہتی ہے، لہٰذا ہم نے اس مقالے میں اسی کتاب کا تحقیقی جائزہ لیا ہے۔

مُسند امام زیدؑ نامی کتاب زیدیہ فرقہ کی عمومی کتب میں شمار کی جاتی ہے اور مختلف ادوار میں مجموع الفقہی وَ الحدیثی ، مجموع الحدیثی وَالفقہی اور مسند امام زیدؑ کے نام سے مختلف بلاد عرب میں شائع ہوتی رہی ہے۔ اس مقالے میں مسند امام زیدؑ پر بحث کی گئی ہے، کیونکہ مُسند امام زیدؑ کی تالیف اور اشاعت کے حوالے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ۱۲۲ھ ہجری میں حضرت زید شہید اور ۱۲۵ھ ہجری میں اُن کے بیٹے حضرت یحییٰ بن زید کی خراسان کے شہر سرخس میں بنو اُمیہ کے ہاتھوں شہادت کے پے در پے واقعات کے دوران، حضرت زید شہید کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد بھی جو اُنکے ساتھ جہاد میں شریک تھی، شہید ہو گئی اور حضرت زید شہید کے زندہ بچ جانے والے ایک شاگرد عمرو بن خالد جو ابو خالد واسطی کے نام سے معروف ہوئے۔ اُنہوں نے حضرت زید شہید کی تعلیمات کو عام کرنے کی غرض سے حضرت زید شہید سے سُنی ہوئی احادیث اور فقہی آراء کو دو کتب مجموع الفقہی اور مجموع الحدیثی کے نام سے تالیف

کرکے روشناس کرایا۔ یہ کتب دوسری صدی ہجری میں فقہ اور حدیث کی باقاعدہ کوئی کتاب نہ ہونے کے سبب بے پناہ مقبول ہوئیں اور دوسری صدی ہجری میں لکھی جانے والی فقہ اور احادیث کے موضوع پر اولین کتب قرار پائیں۔ مگر کچھ کم فہم افراد نے فقہ واحادیث کے حوالے سے موطاء امام مالک نامی کتاب کو فقہ و حدیث کی اوّلین تصنیف قرار دیا جو حقائق کے بالکل منافی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عباسی حکمران ابو جعفر منصور ۱۳۷ ہجری میں تخت حکومت پر بیٹھا تو مجموع الفقہی اور مجموع الحدیثی کی شہرت دیکھ کر اُسے خوف لاحق ہوگیا کہ عراق میں موجود جہادی قوتیں حضرت زید شہید کی پیروی کرتے ہوئے کسی بھی وقت اُس کی حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوں گی، لہٰذا اُس نے اہل عراق کو اہلبیت رسول ﷺ سے دور کرنے اور بنو عباس مخالف تحریکوں میں شمولیت سے اُنہیں باز رکھنے کے لیے یہ تدبیر نکالی کہ فقہ اور حدیث کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کراکر پورے ملک میں رائج کی جائے اور مجموع الفقہی اور مجموع الحدیثی کو منظر عام سے ہٹادیا جائے۔ ابو جعفر منصور نے اس مقصد کے پیش نظر مدینہ منورہ کا دورہ کیا جہاں اُس نے علماء عامّہ کی معروف شخصیت امام مالک سے ملاقات کی اور اُنہیں اپنی اس خواہش سے آگاہ کیا جسے ابو مصعب نے اس طرح نقل کیا ہے:

أن أبا جعفر قال لمالك ضع للناس كتاباً أحملهم عليه (1)

ابو جعفر نے مالک سے کہا ایک ایسی کتاب تصنیف کرو، جس پر میں لوگوں کو عمل کراؤں۔

ابو جعفر منصور کی خواہش سُن کر امام مالک نے جواب دیا:

ان أهل العراق لا يرضون علمنا (2)۔

اہل عراق ہمارے علم پر راضی نہیں ہوں گے، جس پر ابو جعفر منصور نے امام مالک سے کہا:

فقال أبو جعفر يضرب عليه عامتهم بالسيف وتقطع عليه ظهورهم بالسياط وفي بعضه۔ (3)

ابو جعفر نے کہا! ہم اپنی تلواروں سے اُن کے عام لوگوں کو قتل کریں گے اور بعض کو کوڑے ماریں گے۔

ابو جعفر منصور کے مُسلسل دباؤ پر اُس کی خواہش اور ہدایت کے مطابق امام مالک نے الموطاء کی تصنیف کا کام شروع کیا۔ دوسری طرف عباسیوں نے اس کتاب کو رائج کرنے کے لیے راہ ہموار کرنے کی غرض سے کوفہ میں رہائش پزیر ابو خالد واسطی کی کردار کشی شروع کردی، جس سے دلبرداشتہ ہو کر ابو خالد

واسطی کوفہ سے ترک سکونت اختیار کرکے واسط منتقل ہوگئے اور وہیں ۱۵۰ ہجری میں ان کاانتقال ہوا (4)۔ ابو خالد الواسطی کی کردار کشی کا مقصد لوگوں کو حضرت زید شہیدؑ کی تعلیمات پر عمل کرنے سے روکنا تھا۔ ابو جعفر نے امام مالک سے کتاب کی تالیف کی خواہش کا اظہار ۱۴۸ ہجری میں کیا تھا، مگر امام مالک اپنی تصنیف ابو جعفر منصور کی زندگی میں پوری نہ کرسکے، جس کا ذکر الموطاء میں اس طرح ملتا ہے (فوضع الموطأ فلم يفرغ منه حتى مات أبو جعفر) امام مالک اس کتاب کو ابو جعفر کی زندگی میں مکمل نہ کرسکے۔ امام مالک کی کتاب الموطاء ۱۵۹ ہجری میں لوگوں کے ہاتھوں میں آئی (5)۔ جسے ابو جعفر منصور کے بیٹے مہدی بن ابو جعفر منصور نے سرکاری طور پر رائج کیا۔ اس طرح تاریخی اعتبار سے دوسری صدی میں سامنے آنے والی کتب مجموع الفقہی اور مجموع الحدیثی اولین کتب ہیں اور الموطاء ان کے بعد منظرِ عام پر آنے والی کتب میں سے ہے۔ عباسی حکومت نے اپنی ریاستی قوت استعمال کرتے ہوئے الموطاء کو رائج کیا اور ساتھ ہی حضرت زید شہیدؑ کی طرف منسوب تمام تالیفات کو منظر عام سے ہٹا دیا۔ جس کے سبب حضرت زید شہیدؑ سے منسوب تمام تالیفات وقت گذرتے گزرتے ضائع ہوگئیں اور سرکاری طور پر پورے ملک میں الموطاء کی بے انتہاء تشہیر کی گئی اور الموطاء کو فقہ و حدیث کے حوالے سے پہلی کتاب قرار دیا گیا۔

ابو خالد واسطی کی تالیف کردہ مذکورہ کتب دستیاب نہ ہونے اور اس کی اہمیت کے پیش نظر چوتھی صدی ہجری میں زیدیہ فرقہ کے مشاہیر نے ایک بار پھر مجموع الفقہی اور مجموع الحدیثی نامی کتب کو دوبارہ منظر عام پر لانے کا فیصلہ کیا۔ عبد العزیز بن اسحٰق بقال نے دونوں کتب کو دوبارہ جمع کرنے کا کام ۳۶۰ ھ میں مکمل کیا (6) جس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ابو خالد واسطی کی تالیف کردہ مذکورہ کتب زیدیہ فرقہ کے مشاہیر کے پاس موجود نہ تھیں، ورنہ عبد العزیز بن اسحٰق بقال کو انہیں دوبارہ جمع کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ عبد العزیز بن اسحٰق بقال کا ان کتب کو دوبارہ جمع کرنا ثابت کرتا ہے کہ یہ کتب ابو خالد واسطی کی تالیف کردہ کتب نہیں بلکہ، اُن کے کے حوالے سے عبد العزیز بن اسحٰق نے دوبارہ جمع کرکے شائع کیا۔ دونوں کتب ایک کتاب کی شکل میں مُسند امام زیدؑ کے نام سے ۱۳۴۰ ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئیں (7)۔

مسند امام زیدؑ پر بحث کے لیے ہمارے سامنے دو نسخے ہیں، جن میں سے ایک کا نام مسند امام زیدؑ ہے، جو بیروت سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ مسند امام زیدؑ کا مقدمہ شیخ عبد الواسع بن یحییٰ الواسعی نے تحریر کیا اور اسے مجموع الفقہی سے تعبیر کیا ہے۔ مسند امام زیدؑ عرب ممالک میں میں مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے معروف ہوئی۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

1. مسند الامام زیدؑ مطبوعہ منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ بیروت سن اشاعت ۱۹۸۷ء
2. المجموع الفقہی والحدیثی المسمی بہ (مسند الامام زیدؑ) مطبوعہ صدارات مؤسسۃ الامام زید بن علی (ع) الثقافیۃ یمن، سن اشاعت ۱۹۸۷ء
3. المجموع الحدیثی والفقہی (اول کتاب صنف فی الحدیث)، تحقیق عبداللہ بن حمود بن درھم الغری۔ المطبعۃ مکتبۃ الامام زید بن علی (ع)، صنعاء۔ الجمہوریہ الیمنیۃ، الطبعۃ الاولی: ۲۰۰۲ء

یہ کتاب موجودہ دور میں یمن اور اردن سے شائع ہوئی ہے، اردن کا پتہ درج ذیل ہے:

موسسۃ الامام زید بن علی الثقافیۃ۔ ص۔ب۔ ۱۴۳۶۸۴، عمان

اور اس کے اندرونی صفحہ پر ریاستہائے متحدہ امریکہ کا پتہ بھی درج کیا گیا ہے۔

P.O.Box.10754, McLean, VA.221, 2, United State of America

ابو خالد واسطی کے حوالے سے جمع کی گئی کتب المجموع الفقہی اور المجموع الحدیثی کی کئی شروح بھی لکھی گئیں (8)، جن کی تفصیل یہ ہے:

1. المنہاج الجلی شرح مجموع الامام زید بن علی۔ یہ شرح چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ جو زیدیہ فرقہ کے امام، امام محمد بن المطہر بن یحییٰ، (متوفی ۷۲۸ھ) نے تحریر کی ہے۔
2. المصباح المنیر شرح المجموع الکبیر، اسے سید یحییٰ بن الحسین بن القاسم (متوفی ۱۱۰۰ھ) نے تحریر کیا۔
3. فتح العلی شرح مجموع الامام زید بن علی علیہ السلام، اسے علامہ سید احمد بن یوسف بن الحسین بن الحسن بن الامام القاسم بن محمد (متوفی ۱۱۹۱ھ) نے تحریر کیا۔
4. الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر، اسے معروف محقق قاضی حسین بن احمد سیاغی (متوفی: ۱۲۲۱ھ) نے تحریر کیا اور یہی شرح دور حاضر کی معروف ترین شرح سمجھی جاتی ہے۔ الروض النضیر پہلی بار ۱۳۴۷ھ میں مطبعۃ السعادۃ بجوار محافظہ مصر سے شائع ہوئی۔

زیدیہ فرقہ کے مشاہیر ان کتب کو ابو خالد الواسطی کے حوالے سے حضرت زید شہیدؑ سے منسوب کرتے ہیں اور عباسی حکمرانوں کی ایماء پر ابو خالد واسطی کے خلاف ہونے والی کردار کشی کے سبب ابو خالد واسطی پر جرح کا سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ اس جرح کا ذکر سب سے پہلے الروض النضیر شرح فقہ کبیر میں علامہ سیاغی اور مسند امام زیدؑ کے مقدمہ میں شیخ الواسعی نے کیا۔ انکے بعد دیگر محققین جن میں شیخ محمد ابو زہرہ مصری اور یمن کے معروف محقق عبداللہ بن حمود بن درھم الغری شامل ہیں۔ ان محققین نے نا صرف ابوخالد واسطی کی کردار کشی کے موضوع پر مدلل بحث کی ہے بلکہ ان کا دفاع کرتے ہوئے اپنے دلائل سے جارحین کی جرح کو رد کیا ہے۔ ابو خالد واسطی پر علماء غیر امامیہ کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات درج ذیل ہیں، جن کا ذکر ابن حجر نے تہذیب اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں کیا ہے(9)۔

قال وکیع: کان جارنا فظهرنا منه علی کذب فانتقل الی واسط، و قال ابی عوانه: کان عمرو بن خالد یشتری الصحف من الصیادلة و یحدث بها، و قال یحیی بن معین: کذاب غیر ثقه، قال احمد بن حنبل: کذاب، و قال النسائی: کوفی لیس بثقة ولایکتب حدیثه، و قال الحاکم یروی عن زید بن علی الموضوعات و قال الذهبی: رافضی جلد، و اورد خمسه احادیث ادعی وضعها، و قال حبیب بن ابی ثابت؛ لیس بثقة۔

وکیع نے کہا: عمرو بن خالد ہمارے پڑوس میں رہائش پزیر تھا، اس کا جھوٹ سب پر ظاہر ہو گیا تو وہ کوفہ سے واسط منتقل ہو گیا۔ ابو عوانہ نے کہا: عمرو بن خالد طبیب کی دکان سے کتب خرید کر اُن سے احادیث نقل کرتا تھا۔ یحیٰی بن معین نے کہا: ابو خالد غیر معتبر اور کاذب ہے۔ احمد بن حنبل نے کہا: ابو خالد کاذب ہے۔ نسائی نے کہا: ابوخالد کوفی ہے اور معتبر نہیں وہ اس کی احادیث کو وہ اپنے ہاں نقل نہیں کرتے۔ الحاکم نے کہا: ابو خالد گھڑی ہوئی احادیث کو زید بن علیؑ سے روایت کرتے ہیں۔ حبیب بن ابی ثابت نے کہا کہ عمرو بن خالد غیر معتبر ہے۔

معروف سیرت نگار شیخ محمد ابو زہرہ مصری نے علماء عامہ کی طرف سے ابو خالد واسطی پر کی جانے والی جرح سے متعلق بیان کیا ہے:

1. ابو خالد واسطی کے حوالے سے علماء عامہ دو طبقوں میں بٹ گئے ہیں۔ایک طبقہ ان کی نقل کردہ احادیث کو قبول کرتا ہے اور ان پر جرح نہیں کرتا۔دوسرا طبقہ ان کی عدالت پر شک کرتا ہے اور ابو خالد واسطی کو غیر عادل، غیر معتبر اور غالی کہہ کر متروک الحدیث قرار دیتا ہے۔([10])
2. علماء امامیہ اور علماء عامہ رجال نے ابو خالد واسطی پر غیر ثقہ ہونے کا الزام لگایا۔(۱۱)

شیخ محمد ابو زہرہ مصری نے ابو خالد واسطی پر لگائے گئے، الزامات کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے کہا یہ الزامات اس قابل نہیں کہ ان کی بناء پر ابو خالد واسطی کی نقل کردہ احادیث کو فراموش کیا جائے۔ شیخ محمد ابو زہرہ مصری کہتے ہیں کہ ابو خالد واسطی کے مخالفین میں امام نسائی نے سب سے زیادہ سخت انداز اپنایا اور اُنہوں نے ابو خالد واسطی کو غالی اور غیر معتبر قرار دیا، لیکن امام نسائی اپنا موقف ٹھوس شواہد کے ساتھ ثابت نہ کرسکے۔ شیخ محمد ابو زہرہ مصری نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ امام نسائی یا ابو خالد واسطی کے دیگر مخالفین کی آراء سے کسی طور متفق نہیں اور ابو خالد واسطی کی نقل کردہ احادیث کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے (۱۲)۔ شیخ محمد ابو زہرہ مصری کے مذکورہ بیان کا یہاں جائزہ لیا جاتا ہے، جس میں انہوں نے علماء امامیہ پر ابو خالد واسطی کی رد و قدح کا الزام لگایا ہے۔ جہاں تک شیخ محمد ابو زہرہ مصری نے علماء عامہ کی جانب سے ابو خالد واسطی کی رد و قدح کا ذکر کیا ہے وہ بات تو درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کے اثبات میں ابو زہرہ مصری نے جو حوالے دیے ہیں، انکے شواہد ابن حجر کی تہذیب التہذیب اور ذہبی کی میزان الاعتدال میں ملتے ہیں۔ابو زہرہ مصری نے علماء امامیہ کو بھی ابو خالد واسطی پر رد و قدح کے حوالے سے علماء عامہ کی صف میں لاکر کھڑا کر دیا لیکن اسکے اثبات میں وہ کوئی ایسا حوالہ یا ٹھوس دلیل پیش نہیں کرسکے جس طرح اُنہوں نے صراحت کے ساتھ علماء عامہ کے اثبات میں حوالوں کو نقل کیا ہے۔اس لیے ابو زہرہ مصری کی علماء امامیہ کے حوالے سے کہی ہوئی بات درست ثابت نہیں ہوتی کیونکہ تحقیق سے ایسی کسی بات کا ذکر امامیہ فرقہ کی منابع کتب میں نہیں ملتا۔مذید یہ کہ اگر ایسی کوئی چھوٹی سے بات بھی موجود ہوتی تو ابو زہرہ اسے حوالے کے طور پر ضرور پیش کرتے۔ اس حوالے سے ہمارا موقف یہ ہے کہ ابو زہرہ مصری نے ابو خالد واسطی پر جرح کرنے کا الزام علماء عامہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ ابو زہرہ مصری نے اس الزام کے زمرے میں امامیہ علماء کو بھی شامل کر دیا تاکہ ابو خالد واسطی پر جرح و طعن کرنے کی بات صرف علماء عامہ تک محدود نہ رہے۔ اس کی مذید وضاحت کے لیے معروف امامیہ علماء

رجال کی آراء کو یہاں نقل کیا جاتا ہے، جن کی بنیاد پر ابو خالد واسطی کے حوالے سے ابو زہرہ مصری کی باتوں کو قبول نہیں کیا جاسکتا :

1. شیخ طوسی بیان کرتے ہیں:

أبو خالد الواسطی ابن عمرو بن خالد، له کتاب ذکرهما ابن النديم۔ (۱۳)

ابو خالد الواسطی ابن عمرو بن خالد کی ایک کتاب ہے، جس کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے۔

2. شیخ طوسی نے اپنی کتاب رجالِ طوسی میں ابو خالد واسطی کو بتری قرار دیا ہے۔ (۱۴)

3. احمد بن علی بن احمد نجاشی کہتے ہیں:

عمرو بن خالد أبو خالد الواسطی عن زید بن علی له کتاب کبیر ، رواه عنه نصر بن مزاحم المنقری وغیره أخبرنا محمد بن عثمان قال : حدثنا علی بن محمد بن الزبیر ،عن علی بن الحسن بن فضال ، عن نصر بن مزاحم ، عنه بکتابه۔ (۱۵)

عمرو بن خالد ابو خالد واسطی نے زید بن علی علیہ السلام سے ایک بڑی کتاب کو روایت کیا ہے۔ ان سے نصر بن مزاحم المنقری وغیرہ روایت نقل کرتے ہیں۔

4. ابو عمرو محمد بن عمر بن عبد العزیز کشی ابو خالد واسطی کے بارے میں کہتے ہیں:

هولاء من رجال العامة الا ان لهم میلا و محبة شدیدة (۱۶)

یہ غیر امامیہ رجال سے تعلق رکھتے ہیں مگر اہلبیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ان کا میلان تھا اور ان سے زیادہ محبت کرتے تھے۔

5. علامہ حلی نے ابو خالد کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

عمرو بن خالد ابو خالد الواسطی روی عن زید بن علی له کتاب کبیر کان بتریا (۱۷)

عمرو بن خالد ابو خالد الواسطی نے زید بن علیؑ سے ایک بڑی کتاب نقل کی۔ ابو خالد واسطی بتری تھے۔

6. مامقانی نے قول درج ذیل ہے:

عمرو بن خالد الواسطی موثق۔ (عمرو بن خالد الواسطی معتبر ہیں) ۔ (۱۸)

شیخ طوسی، نجاشی اور کشی کی ابو خالد واسطی سے متعلق امامیہ منابع کی کتب میں ملنے والی آراء کو اوپر نقل کیا گیاہے اوران علماء رجال کی آراء کو امامیہ علماء حتمی قرار دیتے ہیں۔ مذکورہ علماء امامیہ نے ابو خالدالواسطی پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی۔ ان علماء رجال نے ابو خالد واسطی کے بارے میں یہ وضاحت ضرور کی ہے کہ ابو خالد واسطی کا تعلق امامیہ رجال سے نہیں ہے، بلکہ ان کا میلان اہلبیت رسول ﷺ کی طرف تھا اور وہ ان سے شدید محبت کرتے تھے۔ علامہ مجلسی نے ابو خالد واسطی کے بارے میں یہ وضاحت کی ہے کہ غیر امامیہ فرقے کا ایک طبقہ انہیں ثقہ قرار دیتا ہے، جبکہ دوسرا طبقہ ضعیف قرار دیتا ہے(۱۹)۔ لہٰذا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ابوزہرہ مصری علماء امامیہ کے حوالے سے اپنی بات کو کسی ٹھوس دلیل یا مستند حوالے سے درست ثابت کرنے میں ناکام رہے۔

شیخ ابوزہرہ مصری نے ایک دوسرے مقام پر بیان کیا ہے کہ اہلبیتؑ اور زیدیہ ابوخالد واسطی کی عدالت کا اقرار کرتے تھے اور اپنے استدلال کے لیے سیاغی کا درج ذیل قول نقل کیا ہے:

اِذَا ثبت اجماع اهل البيت عليهم السلام على عدالته۔

ان کی عدالت پر اہلبیت کا اجماع ثابت ہوتا ہے(۲۰)

جہاں تک زیدیہ فرقے کا تعلق ہے تو اُس پر بحث کی گنجائش نہیں کیونکہ زیدیہ فرقہ کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے زیدیہ مذہب ابو خالدالواسطی سے لیا ہے، اس لیے اُن کا ابو خالد الواسطی کی عدالت کا اقرار کرنا ایک فطری عمل ہے۔ لیکن اہلبیت رسول ﷺ نے کسی موقع پر ابو خالدالواسطی کی عدالت کا اقرار نہیں کیا اور نہ ہی اس حوالے سے رجال کی کتب میں اس قسم کی کوئی بات ملتی ہے۔ شیخ ابوزہرہ مصری نے مسند امام زیدؑ اور سیاغی کی الروض النضیر کے مقدمات سے سیاغی کی بیان کردہ باتوں کو تحقیق کے بغیر من و عن اپنی کتاب امام زیدؑ میں نقل کیا ہے اور اس سے استنباط کرتے ہوئے کہا: اگر ابو خالدالواسطی عادل نہ ہوتے تو ائمہ اہلبیتؑ اُنکے سامنے احادیث بیان نہیں کرتے۔ ابوزہرہ مصری نے یہ بات کسی ٹھوس دلیل کے بغیر کہی اور تیزی سے آگے نکل گئے، ورنہ اس حوالے سے اگر ان کے پاس کوئی ایسی بات ہوتی، جس سے پتہ چلتا ہو کہ ائمہ اہلبیتؑ نے کسی موقع پر اپنی نشست میں یہ بات کہی ہو فلاں شخص عادل نہیں ہے اور وہ اُنکے سامنے احادیث بیان نہیں کرتے، لیکن ابوزہرہ مصری کے پاس ایسی نہ تو کوئی روایت تھی اور نہ ہی کوئی ٹھوس دلیل تھی، جسے وہ پیش کرتے، لہٰذا انکی ائمہ اہلبیت رسول ﷺ کے حوالے سے کہی ہوئی یہ

بات غیر مقبول ہے۔ائمہ اہلبیت رسول ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنی نشستوں میں بلا امتیاز احادیث بیان کرتے تھے اور اس میں کسی کے لیے ان کی احادیث کے سماع پر کوئی پابندی نہیں تھی۔اسی لیے ہر طبقہ کے محدثین نے ان سے احادیث نقل کیں۔یہ بات الگ ہے کہ کسی محدث نے ان کی بیان کردہ کسی حدیث کو اپنے مسلک کے ناموافق ہونے پر نقل نہ کیا ہو۔ابو زہرہ نے ابو خالد واسطی کے حوالے سے علماء عامہ کے ایک طبقے کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ یہ طبقہ ابو خالد واسطی کو ثقہ تسلیم کرتا ہے اور انکی احادیث کو قبول کرتا ہے اور غیر امامیہ محدثین کی ایک بڑی تعداد نے ان سے احادیث کو نقل کیا ہے۔جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابو خالد واسطی پر بعض علماء غیر امامیہ کی طرف سے لگائے گئے الزامات کو، ان محدثین نے کوئی اہمیت نہیں دی اور اُن پر کی جانے والی جرح بے سود رہی۔ابو زہرہ مصری نے شیخ واسعی کے تحریر کردہ مسند امام زیدؑ کے مقدمہ سے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ ابو خالد واسطی پر غلو کا الزام محبت اہلبیت رسول ﷺ کے سبب لگایا گیا ہے (۲۱) ۔علماء عامہ کے جس طبقے نے ابو خالد الواسطی پر جرح یا طعن کیا ہے، اُس کی وجہ یہ ہے کہ ان علماء عامہ نے ابو خالد واسطی کا اہلبیت رسول ﷺ کی طرف میلان دیکھتے ہوئے اُنہیں غالی اور غیر ثقہ قرار دیا اور اس بات کو اُنکے نظریہ کے لوگوں نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔

ابو زہرہ کے بعد مجموع الحدیثی اور مجموع الفقہی پر تحقیق کرنے والے یمن کے ایک محقق عبداللہ بن حمود بن درھم الغری کی ان باتوں کو یہاں نقل کیا جاتا ہے، جو اُنہوں نے ابن حجر اور ذہبی کی کتب میں ابو خالد الواسطی پر لگائے ہوئے الزامات پر بحث کرتے ہوئے بیان کیں اور کہا کہ ان شارحین کا تعلق متاخرین کے طبقے سے ہے۔وہ ذہبی اور دیگر متاخرین کے الزامات کو مسترد کرتے ہوئے انہیں غیر مقبول قرار دیتے ہوئے ابن ابی حاتم کی اس روایت کو نقل کیا ہے:

حدثنا عمرو بن یحییٰ قال: ما سمعت وکیعاً احداً أبسؤ قط۔ ولم یذکر وکیع ابا خالد الواسطی مطلقاً۔ (۲۲)

ہم سے عمرو بن یحییٰ نے بیان کیا کہ ہم نے وکیع سے اس قسم کی کوئی بات نہیں سُنی اور نہ ہی وکیع نے ابو خالد کا مطلق ذکر کیا ہے۔

عبداللہ بن حمود بن درھم الغری نے وکیع کے الزام والی روایت کو مرسل قرار دیتے ہوئے کہا: المرسل لا یقبل یعنی: مرسل روایت کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اُنہوں نے مذید زور دیتے ہوئے کہا: وکیع کا تعلق زیدیہ فرقہ سے تھا اور زیدیہ فرقہ کا کوئی شخص ابو خالد واسطی کے بارے میں اس قسم کی بات بیان نہیں سکتا، کیونکہ زیدیہ فرقہ اُنہیں ثقہ اور عادل قرار دیتا ہے اور وکیع کے حوالے سے کی گئی الزام تراشیاں بے بنیاد ہیں۔ عبداللہ بن حمود بن درھم الغری نے ذھبی کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ابو خالد الوسطی کی نقل کردہ جن احادیث کی اسناد پر ذہبی نے جرح کرتے ہوئے وضع شدہ روایتیں قرار دیا، یہ بات سرے سے غلط ہے کیونکہ اگر ان روایتوں کی اسناد میں کوئی فرق پایا جاتا ہے اور ابو خالد الوسطی کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی انہیں نقل کیا ہے تو اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ یہ وضع کردہ روایتیں ہیں، بلکہ اس سے ان روایتوں کی تائید ہوتی ہے کہ یہ روایتیں درست ہیں، اسی لیے دوسرے محدثین نے بھی انہیں اپنے ہاں نقل کیا ہے۔ عبداللہ بن حمود بن درھم الغری نے اسی طرح ابو عوانہ کے حوالے سے نقل کردہ الزامات کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس بات کا تاریخی اعتبار سے کوئی امکان نہیں، کیونکہ احادیث کی کتب کی باقاعدہ اشاعت کا سلسلہ ہارون رشید اور مامون رشید کے دور میں شروع ہوا (۲۳)۔ عبداللہ بن حمود بن درھم الغری نے آخر میں دلائل کی بنیاد پر کہا کہ حبیب بن ثابت کے حوالے سے الزام تراشی درست نہیں ہے بلکہ یہ باتیں صرف ابو خالد الوسطی کو بدنام کرنے کے لیے اُن سے منسوب کی گئی ہیں جو غیر مقبول ہیں (۲۴)۔ علماء عامہ کی جانب سے ابو خالد الوسطی پر ہونے والی جرح اور طعن درست نہیں ہے بلکہ اُنہوں نے ابو خالد الواسطی کی مخالفت بنو عباس کے ایماء پر کی ہے اور اس جرح و طعن کو موثر بنانے کے لیے ان لوگوں کے نام بھی استعمال کیے ہیں جن کا تعلق زیدیہ فرقہ سے ہے۔

مجموع الفقہی اور مجموع الحدیثی پہلی بار لاطینی زبان میں شرح کے ساتھ اٹلی کے شہر میلانو سے ۱۹۱۹ء میں درج ذیل نام سے طبع ہوئی:

"CORPUS JURIS DI ZAID BIN ALI"

دوسری بار مطبعۃ المعارف العلمیہ، قاہرہ سے مسند امام زیدؑ کے نام سے ۱۳۴۰ ھ میں شائع ہوئی، تیسری بار ۱۴۰۱ھ میں بیروت سے ۳۳۹ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مسند امام زیدؑ کے نام سے طبع ہوئی۔ موجودہ دور میں رائج مسند امام زیدؑ میں احادیث پیغمبر کی تعداد ۲۲۸ ہے جبکہ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کی گئی اخبار کی تعداد ۳۲۱ ہے اور حضرت امام حسینؑ سے دو احادیث

نقل کی گئی ہیں۔ اس میں کل اخبار کی تعداد ۵۵۱ ہے اور مندرجہ ذیل چودہ ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ (۲۵)

۱۔	کتاب الطہارۃ	۱۰	ابواب پر مشتمل ہے۔
۲۔	کتاب الصلاۃ	۴۴	ابواب پر مشتمل ہے۔
۳۔	کتاب الجنائز	۱۸	ابواب پر مشتمل ہے۔
۴۔	کتاب الزکوۃ	۱۲	ابواب پر مشتمل ہے۔
۵۔	کتاب الصیام	۱۲	ابواب پر مشتمل ہے۔
۶۔	کتاب الحج	۳۶	ابواب پر مشتمل ہے۔
۷۔	کتاب البیوع	۲۹	ابواب پر مشتمل ہے۔
۸۔	کتاب الشرکۃ	۹	ابواب پر مشتمل ہے۔
۹۔	کتاب الشھادات	۲	ابواب پر مشتمل ہے۔
۱۰۔	کتاب النکاح	۱۳	ابواب پر مشتمل ہے۔
۱۱۔	کتاب الطلاق	۱۰	ابواب پر مشتمل ہے۔
۱۲۔	کتاب الحدود	۷	ابواب پر مشتمل ہے۔
۱۳۔	کتاب السیر وماجاء فی ذلک	۱۳	ابواب پر مشتمل ہے۔
۱۴۔	کتاب الفرائض	۱۶	ابواب پر مشتمل ہے۔

مسند امام زیدؑ کے تمام ابواب میں ایک سے زائد احادیث اور اخبار بیس سے زائد ہیں۔ مثلاً باب وضو، میں دس اور کتاب طہارت میں اُنیس اخبار بیان کی گئی ہیں۔ مسند امام زیدؑ میں موجود تمام احادیث اس سند کے ساتھ نقل کی گئی ہیں:

حدثنی زید بن علی عن ابیہ عن جدہ عن علی (علیہ السلام) قال: قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ

مسند امام زیدؑ سے دس ایسی احادیث یہاں بحث کے لیے نقل کی جاتی ہیں، جو کتب اربعہ میں بھی نقل ہوئی ہیں لیکن ان احادیث کی اسناد میں کچھ کمی بیشی دیکھنے میں آئی ہے، جس کی نشاندہی کتب اربعہ کے جدید حوالوں کے ساتھ گئی ہے:

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی بن أبی طالب کرم الله وجه انه أتاه رجل، فقال یا أمیر المؤمنین والله انی لأحبك فی الله، قال ولکنی أبغضك فی الله، قال ولم، لأنك تتغنی بأذانك یعنی تطربه وتأخذ علی تعلیم القرآن أجرا وقد سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله یقول من أخذ علی تعلیم القرآن أجرا کان حظه یوم القیامة۔ (۲۶)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں۔ ایک شخص انکے پاس آیا اور بولا: اے امیر المومنین! میں اللہ تعالیٰ کی وجہ سے آپ سے محبت کرتا ہوں۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا: لیکن میں اللہ تعالیٰ کی وجہ سے تم سے نفرت کرتا ہوں۔ اُس نے دریافت کیا وہ کیوں؟ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا! تم اذان گانے کی طرز پر دیتے ہو اور قرآن کی تعلیم دینے کا معاوضہ لیتے ہو۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو شخص قرآن پاک سکھانے کا معاوضہ لے گا، قیامت کے دن اس کا حصہ وہی اجر ہوگا، جو دنیا میں لے چکا ہے۔

یہ حدیث من لایحضرہ الفقیہ (۲۷) میں مرسلہ درج ہوئی ہے اور تہذیب الاحکام (۲۸)، الاستبصار (۲۹) اور وسائل الشیعہ (۳۰) میں کچھ اختلاف کے ساتھ نقل ہوئی ہے اور روایت کی سند حضرت زید شہیدؑ سے پہلے تہذیب الاحکام اور الاستبصار میں اس طرح نقل کی گئی ہے:

محمد بن الحسن الصفار، عن عبد الله بن المنبه، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی...

ان مصادر میں تتغنی با ذانك کے بجائے تبغ فی الاذان آیا ہے اور اس اختلاف کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی قال: أتی رسول الله صلی الله علیه وآله نفر فقالوا یا رسول الله ان امرأة معنا توفیت ولیس معها ذو رحم محرم فقال صلی الله علیه وآله کیف صنعتم بها فقالوا صببنا الماء علیها صبا، قال اما وجدتم من أهل الکتاب امرأة تغسلها قالوا لا، قال أفلا یمتهوها۔ (۳۱)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤاجداد کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں۔کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اُنھوں نے عرض کی۔یا رسول اللہ ﷺ ! ہمارے ساتھ ایک خاتون تھی،جو دوران سفر وفات پا گئی اور اُسکا کوئی محرم عزیز ساتھ نہیں تھا۔نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: تم اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اُن لوگوں نے عرض کی، ہم نے اس پر پانی بہادیا۔نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں اہل کتاب سے تعلق رکھنے والی کوئی عورت نہیں ملی،جو اسے غسل دیتی۔اُن لوگوں نے عرض کی نہیں۔نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے اسے تیمّم کیوں نہیں کروایا۔

یہ حدیث تہذیب الاحکام (۳۲) ، الاستبصار (۳۳) اور وسائل الشیعہ (۳۴) میں نقل ہوئی ہے۔اسکی سند حضرت زید شہیدؑ سے پہلے اس طرح بیان ہوئی ہے :

سعد بن عبداللہ ،عن ابی الجوزاء، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی(ع)۔

یہ حدیث وسائل الشیعہ میں مکرر نقل ہوئی ہے۔

حدثنی زید بن علی عن أبیہ عن جدہ عن علی۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اذا مات الشہید من یومہ أو من الغد فوارہ فی ثیابہ وان بقی أیاما حتی تغیرت جراحہ غسل (۳۵)

وہ شخص جو آگ کے ذریعے جل جائے یا ڈوب کر مر جائے،اُسکے بارے میں حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب شہید اُسی دن فوت ہو جائے یا اس سے اگلے دن فوت ہو جائے تو تم اسے اسکے کپڑوں میں ڈھانپ دو لیکن اگر کچھ دن گزر جائیں یہاں تک کہ اس کے زخم تبدیل ہو جائیں تو پھر اسے غسل دو۔

یہ حدیث تہذیب الاحکام،(۳۶) الاستبصار (۳۷) اور وسائل الشیعہ (۳۸) میں نقل ہوئی ہے۔اسکی سند حضرت زید شہیدؑ سے پہلے تہذیب الاحکام اور الاستبصار میں اسطرح بیان ہوئی ہے :

محمد بن احمد بن یحیی، عن ابی جعفر، عن ابی الجوزہ، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی۔

اس خبر کے بارے میں شیخ طوسی نے فرمایا کہ اس حدیث پر ہم عمل نہیں کرتے ہیں کیونکہ یہ خبر غیر امامیہ فرقہ کے موافق ہے۔

حدثنی زید بن علی عن أبیہ عن جدہ عن علی۔ انہ سئل عن رجل احترق بالنار فأمرھم ان یصبوا علیہ الماء صبا۔ (۳۹)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤاجداد کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو آگ میں جل گیا ہو تو حضرت علیؑ نے فرمایا: اس پر پانی بہادیا جائے۔ عمرو بن خالد نے حضرت زید شہیدؑ سے اُس شخص کے بارے میں دریافت کیا، جو ڈوب کر مر جائے یا اس پر کوئی دیوار گر جائے اور وہ مر جائے تو حضرت زید شہیدؑ نے فرمایا: لوگ اُسے غسل دینگے۔

یہ حدیث فروع الکافی (۴۰) ، تہذیب الاحکام (۴۱) ، وسائل الشیعہ (۴۲) میں بیان ہوئی ہے اور اس کی سند فروع الکافی میں اسطرح بیان کی گئی ہے:

عدۃ من اصحابنا، عن احمد بن محمد بن خالد، عن ابی الجوزاء، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد عن زید بن علی...

تہذیب الاحکام میں اسطرح ہے:

اخبرنی الشیخ ایدہ اللہ تعالی، عن ابی جعفر محمد بن علی، عن محمد بن الحسن، عن محمد بن یحییٰ، عن محمد بن احمد بن یحییٰ، عن ابی جعفر، عن ابی الجوزاء عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی عن آبائہ عن علی علیہم السلام انہ سئل عن رجل یحترق بالنار فأمرھم أن یصبوا علیہ الماء صبا و ان یصلی علیہ۔

وسائل الشیعہ میں اس حدیث کی اسناد میں دو افراد ابو جعفر اور محمد بن حسن کو بیان نہیں کیا گیا ہے اور اس حدیث کی سند یہ بیان کی گئی ہے:

عن محمد بن أحمد بن يحيى ، عن أبي جعفر ، عن أبي الجوزاء ، عن الحسين بن علوان ، عن عمرو بن خالد ، عن زيد بن علي ، عن آبائه ، عن علي عليه السلام أنه سئل عن رجل يحترق بالنار فأمرهم أن يصبوا عليه الماء صبا وأن يصلى عليه۔

مسند امام زیدؑ میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے۔اس میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں جبکہ تہذیب الاحکام اور وسائل الشیعہ میں نقل کی گئی، حدیث میں نماز پڑھنے کا حکم شامل ہے ،جس سے مسند امام زیدؑ کی اس حدیث میں غلطی کا امکان پایا جاتا ہے۔ کیونکہ جلنے والے یا ڈوب کر مرنے والے شخص کی نماز جنازہ ہوتی ہے:

حدثني زيد بن علي عن أبيه عن جده عن علي ۔ قال : ينزع عن الشهيد الفرو والخف والقلنسوة والعمامة والمنطقة والسراويل الا أن يكون أصابه دم فان كان أصابه ترك ولم يترك عليه معقودا الاحل۔ (۴۳)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا: شہید کا کوٹ اتر وادیا جائے گا، موزہ، ٹوپی، عمامہ پٹکا اور شلوار اتار دی جائے گی اور اوپر لپیٹنے والا کپڑا اتار دیا جائے گا۔البتہ اگر انہیں خون لگا ہوا ہو (تو حکم مختلف ہوگا) تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ ورنہ جو چیز بھی جسم پر باندھی جاتی ہے، اس کو کھول دیا جائے گا۔

یہ حدیث فروع الکافی (۴۴)، من لایحضرہ الفقیہ (۴۵)، تہذیب الاحکام (۴۶) اور وسائل الشیعہ (۴۷) میں بیان کی گئی ہے۔ یہ حدیث من لایحضرہ الفقیہ میں بطور مرسلہ آئی ہے جبکہ فروع الکافی میں اس حدیث کی سند یوں بیان کی گئی ہے کہ:

عدة من اصحابنا ، عن احمد بن محمد بن خالد، عن ابی الجوزاء ، عن الحسين بن علوان، عن عمرو بن خالد عن زيد بن علی ...

جبکہ تہذیب الاحکام میں ایک راوی جس کا نام محمد بن یعقوب ہے، اس کے نام کے اضافہ کے ساتھ اس طرح بیان ہوئی ہے:

عن محمد بن یعقوب عن عدۃ من أصحابنا عن أحمد بن محمد بن خالد عن أبیہ عن أبی الجوزاء عن الحسین بن علوان عن عمرو ابن خالد عن زید بن علی ... باب توجیہ المیت الی القبلۃ : حدثنی زید بن علی عن أبیہ عن جدہ عن علی علیہم السلام قال : دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ علی رجل من ولد عبد المطلب وھو یجود بنفسہ وقد وجھوہ لغیر القبلۃ ، فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجھوہ الی القبلۃ فانکم اذا فعلتم ذلک أقبلت الملائکۃ علیہ وأقبل اللہ علیہ بوجہ فلم یزل کذلک حتی یقبض ، (۴۸)

حضرت زید بن علیؑ نے اپنے آباء کرام سے انہوں نے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے روایت نقل کی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وَسلّم اولاد عبد المطلب میں سے کسی پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ جانکنی کے عالم میں ہے اور اس کا چہرہ قبلہ کی طرف نہیں تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسکا رخ قبلہ کی طرف کرو۔ جب تم ایسا کروگے تو فرشتے اسکے پاس آئیں گے اور اللہ تعالیٰ اسکی طرف رخ کرے گا۔ چنانچہ اُسکا رخ قبلہ رو ہوا تو اسکی روح قبض ہو گئی۔ راوی نے مذید بیان کیا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وَسلّم نے اس دوران اسے لا الہ الااللہ پڑھنے کی تلقین کی۔ آپؐ نے فرمایا: جانکنی کا عالم ہو تو کلمہ توحید کی تلقین کرو کیونکہ جس کا آخری کلام کلمہ توحید ہوگا، وہ جنت میں چلا جائیگا۔

یہ حدیث من لایحضر الفقیہ (۴۹) میں مرسلہ، وسائل الشیعہ (۵۰) اور علل الشرائع (۵۱) میں اس سند کے ساتھ بیان کی گئی ہے:

عن محمد بن علی ماجیلویہ ، عن محمد بن یحیی ، عن محمد بن أحمد ، عن أحمد بن أبی عبد اللہ ، عن أبی الجوزا المنبہ بن عبد اللہ ، عن الحسین بن علوان ، عن عمرو بن خالد ، عن زید بن علی ...

ان کتابوں میں حدیث کا متن تقریباً ایک ہی ہے، جو وسائل الشیعہ کا ہے لیکن الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ بیان ہوئی ہے جبکہ مسند امام زیدؑ کی روایت میں اضافہ پایا جاتا ہے کہ مرنے والا اگر حالت نزاع میں کلمہ توحید پڑھے گا تو وہ جنت میں چلا جائے گا۔ اس پر اشتباہ پایا جاتا ہے کہ یہ مسند امام زیدؑ میں اضافی ہے کیونکہ دیگر مصادر میں یہ الفاظ نہیں ملتے :

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی۔ قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وآله أكل الربا ومؤكله وبائعه ومشتریه كاتبه وشاهدیه۔ (۵۲)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے بیان کیا: رسول اللہ صَلّی اللہ علیہ وَآلہ وَسلم نے سود کھانے والے اور اسکے موّکل اور اسکے فروخت کرنے والے اور اسکے کاتب اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی ہے۔

یہ حدیث من لا یحضر فقیہ میں مرسلہ ہے(۵۳)، تہذیب الاحکام (۵۴) اور وسائل الشیعہ (۵۵) میں بیان کی گئی ہے اور تہذیب الاحکام میں اسکی سند اسطرح بیان کی گئی ہے:

الحسین بن سعید، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی...

وسائل الشیعہ میں عمرو بن خالد کے بجائے محمد بن خالد سے بیان کی گئی ہے جو کہ سہواً لکھی گئی ہے کیونکہ صاحب تہذیب الاحکام میں عمرو بن خالد کا نام بیان کیا گیا ہے:

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی۔ ان امرأة أتت علیا علیه السلام و رجل قد تزوجها و دخل بها و سمی لها مهرا و سمی ‹ لمهرها أجلا ، فقال له علی۔ لا أجل لك فی مهرها اذا دخلت بها فحقها حال فأد الیها حقها (۵۶)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ کے پاس ایک خاتون آئی۔ایک شخص نے اس کے ساتھ شادی کر کے صحبت کر لی تھی۔ اسکے مہر کی ادائیگی کی مدت طے کی گئی تھی۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا! اس عورت کا مہر ادا کرو، تمہارے لیے اب کوئی مدت کا جواز نہیں چونکہ تم اس کے ساتھ صحبت کر چکے ہو اور مہر اس کا حق ہے۔

یہ حدیث تہذیب الاحکام (۵۷)، الاستبصار (۵۸) اور وسائل الشیعہ (۵۹) میں اس سند کے ساتھ نقل کی گئی ہے:

محمد بن احمد بن یحیی، عن ابی جعفر، عن ابی الجوزاء، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی...

یہ حدیث وسائل الشیعہ میں دو بار بیان کی گئی ہے:

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی ۔ قال : لا قصاص بین الرجال و النساء فیما دون النفس ولا قصاص فیما بین الأحرار و العبید فیما دون النفس (٦٠)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤاجداد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا: مردوں اور عورتوں کے درمیان قصاص نہیں ہے۔ سوائے اسکے کہ ان لوگوں نے کسی کو جان سے مارا ہو، آزاد اور غلاموں کے درمیان بھی قصاص نہیں ہے، اگر جان سے نہ مارا ہو۔

اس حدیث کا مفہوم تہذیب میں نقل کی گئی حدیث سے ملتا ہے لیکن اُس میں بچوں کے قصاص کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جو مسند امام زیدؑ کی روایت میں نہیں ملتا۔ جس سے یہ امکان پایا جاتا ہے کہ اسکے جامع کو یہ روایت پوری طور پر نہ ملی ہو۔ یہ حدیث اسی سند کے ساتھ الاستبصار (٦١)، وسائل الشیعہ (٦٢) اور تہذیب الاحکام (٦٣) میں اسطرح بیان کی گئی ہے:

عنه عن أبی جعفر عن أبی الجوزاء عن الحسین بن علوان عن عمرو بن خالد عن زید بن علی عن آبائه عن علی علیه السلام قال : لیس بین الرجال و النساء قصاص الا فی النفس ، ولیس بین الأحرار و الممالیك قصاص الا فی النفس ولیس بین الصبیان قصاص فی شیء الا فی النفس۔

مردوں اور عورتوں کے درمیان قصاص نہیں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے جان سے مارا ہو اور آزاد اور غلاموں کے درمیان قصاص نہیں ہے۔ سوائے ان کے جنہوں نے جان بوجھ کر جان سے نہ مارا ہو اور بچوں کے درمیان بھی قصاص نہیں ہے۔ سوائے ان کے جنہوں نے جان سے نہ مارا ہو:

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی (ع م) قال : قال رسول الله صلی الله علیه وآله المعدن جبار و البئر، جبار و الدابة المنفلتة جبار و الرجل جبار ۔ (٦٤)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آبا ؤاجداد کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صَلَّی اللہ علیہ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے بیان کیا ہے: پہاڑ کی کان میں گر کر مرنا رائیگاں جاتا ہے، کنویں میں گر کر مرنا رائیگاں جاتا ہے، جانور کے مارنے سے مرنا رائیگاں جاتا ہے۔

یہ حدیث وسائل الشیعہ (٦٥) میں معمولی فرق کے ساتھ آگے پیچھے نقل ہوئی ہے اور اسکی سند معانی الاخبار میں اسطرح بیان کی گئی ہے:

عن سعد بن عبداللہ ، عن الھیثم بن ابی مسروق، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی۔۔۔ (٦٦)

جبکہ معانی الاخبار میں (وَالرجل جبار) کا لفظ بیان نہیں کیا گیا ہے۔ اگرچہ مختلف ابواب میں سند کے ساتھ نقل ہوئی اور ان روایات کے مصادر امامیہ معتبر ہیں اور ان کا کافی میں ذکر ہوا ہے۔

مسند امام زیدؑ میں نقل کی گئی بیشتر احادیث اور اقوال ایسے ہیں، جن میں اسکے جامع نے کمی بیشی کرکے اسے غیر امامیہ فرقوں اور زیدیہ فرقہ کے موافق ایک کتاب بنا دیا۔ جسے ان فرقوں نے حضرت زید شہیدؑ سے والہانہ عقیدت کی بناء پر بلا تحمل قبول کرلیا ہے، لیکن مسند امام زیدؑ میں پائی جانیوالی اغلاط کے سبب تحقیقی نقطہ نظر سے اسے اشکال سے خالی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مسند امام زیدؑ میں بیشتر روایتیں ایسی ہیں ، جنہیں حضرت زید شہیدؑ کی طرف منسوب کرنا تحقیقی نقطہ نظر درست نہیں اور ان کی ذات سے بعید ہیں کیونکہ حضرت زید شہیدؑ نے اپنے والد حضرت امام زین العابدینؑ اور بڑے بھائی حضرت امام محمد باقرؑ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ جن احادیث کو اپنے والد سے نقل کیا ہے اُن احادیث اور حضرت زید شہیدؑ کی نقل کردہ احادیث میں کوئی فرق پایا جائے حالانکہ ابوخالد واسطی کا صراحت کے ساتھ بیان سامنے ہے کہ حضرت زید شہیدؑ کے پاس اپنے والد کی بیان کردہ احادیث ایک کتابی شکل میں محفوظ تھیں، جنہیں اُنہوں نے خود تالیف کیا تھا۔ لہٰذا ان احادیث میں کسی قسم کی بیشی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایسی روایات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ روایتیں وضع شدہ ہیں، جو اُن سے غلط طور پر منسوب کی گئی ہیں۔

ابراہیم بن زبرقان ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

قال ابراھیم سألت أبا خالد کیف سمعت ھذا الکتاب من زید بن علی علیھما السلام

قال: سمعناہ من کتاب معہ قد وطأہ وجمعہ (٦٧)

ابراہیم بیان کرتے ہیں میں نے ابو خالد سے دریافت کیا: آپ نے اس کتاب کو امام زیدؑ کی زبانی کیسے سنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے یہ احادیث ان سے سنی جنہیں وہ اُس کتاب سے پڑھ کر بیان کرتے تھے، جو انکے پاس تھی اور اُنہوں نے اسے جمع کیا تھا۔

ابراہیم بن زبر قان کے بیان سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت زید شہیدؑ کے پاس جو کتاب ابو خالد واسطی نے دیکھی اور اُن سے سنی تھی، وہ کتاب ابو خالد الواسطی کی جمع کردہ کتاب کے علاوہ تھی، جسکی ابو خالد واسطی کے پاس موجودگی ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی ابو خالد الواسطی کی تالیف کردہ کتاب عبدالعزیز بن اسحٰق البقال تک پہنچی بلکہ یہ دونوں کتب عبدالعزیز بن اسحٰق کی دسترس سے دور تھیں، اسی لیے اُنہوں نے ابوالقاسم علی بن محمد نخعی سے سن کر جمع کیا، جس کا اقرار خود عبدالعزیز بن اسحٰق بن جعفر بغدادی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

حدثنی عبد العزیز بن اسحاق بن جعفر البغدادی قال حدثنی أبو القسم علی بن محمد النخعی قال حدثنی سلیمان بن ابراهیم المحاربی جدی أبو أمی قال حدثنی نصر بن مزاحم المنقری قال سمعت هذا الکتاب من أبی خالد الواسطی (٦٨)

عبدالعزیز بن اسحٰق بن جعفر بغدادی نے بیان کیا کہ اُن سے ابوالقاسم علی بن محمد نخعی نے بیان کیا ہے کہ اُن سے اُنکے نانا سلیمان بن ابراہیم المحاربی نے بیان کیا ہے کہ نصر بن مزاحم نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ اس کتاب کو اُنہوں نے ابو خالد الواسطی سے سنا تھا۔

حضرت زید شہیدؑ سے سُنی ہوئی احادیث اور فقہی آراء کو ابو خالد الوسطی نے مرتب کرکے مجموع الفقہی وَ المجموع الحدیثی نامی کتب تالیف کی تھیں اور ان کتب کو ابو خالد واسطی کے زمانے میں آفاقی شہرت حاصل ہوئی تھی۔ عباسی حکمرانوں نے اہلبیت رسول ﷺ سے بغض اور دشمنی کے سبب حضرت زید شہیدؑ سے منسوب کتب کو عمداً منظر عام سے ہٹادیا تھا، لیکن ڈیڑھ سوسال گزرنے کے باوجود لوگ ان کتب کو بھول نہ پائے اور یہی سبب تھا کہ عبدالعزیز بن اسحٰق البقال نے اس کتاب کی تالیف کا بیڑہ اُٹھایا اور ابوالقاسم علی بن محمد نخعی سے سن کر المجموع الفقہی وَالمجموع الحدیثی کے نام سے ٦١٣ھ میں جمع کیا۔ موجودہ کتاب مسند امام زیدؑ کے مقدمہ میں شیخ واسعی نے بیان کیا ہے کہ اُنہوں نے یہ کتاب اپنے استاد حسین علی عمری سے سن کر تالیف کی ہے۔ اس کتاب کی سند اُنہوں نے کچھ اس طرح بیان کی ہے:۔

١۔	زید بن علی بن حسین	٢۔	ابو خالد عمرو بن خالد واسطی
٣۔	ابراہیم بن زبر قان تیمی	٤۔	نصر بن مزاحم منقری
٥۔	سلیمان بن ابراہیم محاربی	٦۔	علی بن محمد نخعی

۷۔ عبدالعزیز بن اسحاق البقال
۸۔ ابوالفضل محمد بن عبداللہ شیبانی
۹۔ ابو سعید عبدالرحمٰن نیشاپوری
۱۰۔ حاکم ابوالفضل وہب اللہ بن حاکم القاسم حسکانی
۱۱۔ زید بن حسن بیہقی
۱۲۔ احمد بن ابوالحسن الکنی
۱۳۔ قاضی جعفر بن احمد
۱۴۔ محی الدین ومران ابوالحسن
۱۵۔ عبداللہ بن حمزہ
۱۶۔ احمد حمید
۱۷۔ قاسم بن احمد حمید
۱۸۔ محمد بن یحییٰ
۱۹۔ احمد بن یحییٰ
۲۰۔ مطہر بن محمد بن سلیمان
۲۱۔ سید صارم الدین
۲۲۔ امام زرف الدین
۲۳۔ سید احمد بن عبداللہ
۲۴۔ سید امیر الدین بن عبداللہ
۲۵۔ قاسم بن محمد
۲۶۔ محمد بن قاسم بن محمد
۲۷۔ قاضی احمد بن سعد الدین مسور
۲۸۔ احمد بن صالح ابر جال
۲۹۔ حسین بن احمد زبارہ
۳۰۔ یوسف زبارہ (حسین بن احمد کے صاحبزادے)
۳۱۔ احمد بن یوسف (حسین بن احمد کے پوتے)
۳۲۔ احمد بن یوسف (حسین زبارہ کے بھائی)
۳۳۔ قاضی عبداللہ غالبی
۳۴۔ علامہ حسین بن عبدالرحمٰن الاکوع
۳۵۔ قاسم بن حسین بن منصور
۳۶۔ قاضی حسین بن علی عمر
۳۷۔ شیخ عبدالواسع بن یحییٰ الواسعی نے اسے مسند امام زید کے نام سے شائع کیا ہے۔

اس لیے تحقیقی نقطۂ نظر سے مسند امام زیدؑ ابو خالد الوسطی کی تالیف کردہ کتاب قرار نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی اسے عبدالعزیز اسحٰق البقال کی جمع کردہ کتاب قرار دیا جانا چاہئے کیونکہ یہ کوئی اور کتاب ہے، جسے پہلے ابو القاسم علی بن محمد نخعی نے بیان کیا اور پھر اُنکے توسط سے حسین علی عمری نے بیان کیا اور اسے شیخ واسعی نے تالیف کیا۔ البتہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ موجودہ کتاب مسند امام زیدؑ شیخ واسعی کی تالیف کردہ کتاب ہے اور یہ کتاب فقہ حنفیہّ کے پیروکاروں کے لیے موافق کتاب ہے، جس کی تائید مصر کے مفتی اعظم شیخ محمد بخیت مطیعی حنفی کی وہ تحریر ہے، جو شیخ واسعی نے مسند امام زیدؑ کے مقدمے میں نقل کی ہے:

هو موافق فی معظم أحکامه لمذهب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان۔ (۶۹)

اس کتاب میں فقہی مسائل اور شرعی احکام امام اعظم ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق ہیں۔

ابو القاسم علی بن محمد نخعی الکوفی کا نام طبقات حنفیّہ میں ملتا ہے (۷۰) اور ذہبی نے ان کا ذکر ابن الشرقی کے حالات میں اس طرح کیا ہے:

شیخ الحنفیة أبو القاسم علی بن محمد بن کأس النخعی الکوفی مات فی رابع ربیع الآخر سنة أربع وعشرین وثلاث مائة۔ (۷۱)

شیخ الحنفیہ ابو القاسم علی بن محمد بن کاس النخعی الکوفی کا انتقال ۴ ربیع الاخر ۳۲۴ھ میں ہوا۔ شیخ واسعی نے بھی مسند امام زیدؑ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ ابوالقاسم فقہ حنفیّہ کے پیروکار تھے اور وہ بنو عباس کے دور میں شام، بغداد اور رملہ کے ولایت کے منصب پر فائز ہوئے اور اُن کا انتقال عاشورہ کے دن ۳۲۴ھ میں ہوا۔ (۷۲)

جبکہ معروف اسکالر آقائے بزرگ طہرانی نے مسند امام زیدؑ کے بارے میں اپنی معروف کتاب الذریعہ الی تصانیف الشیعہ میں بیان کیا ہے:

مسند زید(زید ابن علی بن الحسین امام الزیدیة الشهید)، مجموعة أحادیث رواه عن آبائه جمعها عبد العزیز بن اسحاق البقال (متوفی ۳۱۳ھ)، رواه عن زید أبو خالد عمر بن خالد الواسطی ، یظهر من جامع التصانیف انه طبع فی ایطالیا وهو غیر منسکه الآتی الموسوم بمنهاج الحاج۔ (۷۳)

(مسند زید بن علی ابن حسینؑ) الشہید جنہیں زیدیہ فرقے کا امام کہا جاتا ہے، اُن سے ابو خالد الوسطی کی روایت کردہ احادیث کا مجموعہ ہے، جسے عبد العزیز بن اسحاق بقال نے جمع کیا اور جامع التصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب اٹلی سے شائع ہوئی تھی لیکن اُس کتاب کی طرح نہیں تھی، جیسا کہ المجموع الفقہی اور المجموع الحدیثی کو یکجا کرکے المنہاج الہاج کے نام سے ابو خالد الواسطی کی کتاب شائع ہوئی تھی۔

مسند امام زیدؑ کے مقدمے میں شیخ واسعی نے اس کتاب کی صحت کو تنقید سے بچانے کے لیے ایک وضع شدہ روایت نقل کی ہے، جو درج ذیل ہے:

لا یعطعن فی ابی خالد زیدی قط، انما یعطن فیه رافضی او مناصب۔ (۷۴)

ابو خالد واسطی پر کوئی زیدیہ اعتراض نہیں کر سکتا۔ انکے بارے میں رافضی یا آلِ محمدؐ کا مخالف اعتراض کریگا۔

مسند امام زیدؑ کی صحت اس روایت سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں اشکال پیدا کرتی ہے کیونکہ مسند امام زیدؑ نامی کتاب قرآن مجید کی طرح لاریب فیہ کی سند یافتہ کتاب نہیں ہے، جس پر تحقیق کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اگر کوئی محقق ٹھوس دلائل کی روشنی میں اس پر بحث کرے تو اُسے ناصبی یا رافضی قرار دے دیا جائے۔ اس کتاب میں نقل کی گئی احادیث پر جن لوگوں نے اپنا اشکال ظاہر کرتے ہوئے جرح کی، ان میں امام نسائی اور ابو عوانہ کا نام لیا جاتا ہے اور انکے بعد ذہبی نے اس بات کو بڑھاوہ دیا۔ اُنھوں نے ابو خالد واسطی کو غیر معتبر، کاذب اور غالی قرار دیتے ہوئے پانچ احادیث کا ذکر کیا ہے لیکن کسی نے انہیں شخصیات کو ناصبی یا رافضی قرار نہیں دیا۔ اس روایت کے حوالے سے ہمارا موقف یہ ہے کہ شیخ عبدالواسع الواسعی نے اس روایت کے ذریعے اپنی مرتب کردہ کتاب مسند امام زیدؑ پر تحقیق کے دروازے بند کیے ہیں، جو سراسر غلط ہے اور اس روایت کی بنیاد پر اس کتاب کو من و عن قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

مسند امام زیدؑ کے حوالے سے تحقیق سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت زید شہیدؑ کی تالیف کردہ احادیث پر مبنی کتاب، جسے پڑھ کر آپ اپنی نشستوں میں احادیث بیان کرتے تھے وہ کتاب ابو خالد واسطی کے پاس موجود نہ تھی ورنہ وہ اُسے دوبارہ جمع نہیں کرتے اور اسی طرح ابو خالد الواسطی کی تالیف کردہ کتب بنو عباس کے دور حکومت میں منظر عام سے ہٹائے جانے کے سبب دست برد زمانہ ہو گئیں اور وہ کتب زیدیہ فرقہ کے مشاہیر کے پاس موجود نہ تھیں۔ اسی لیے چوتھی صدی ہجری میں عبدالعزیز اسحٰق بقال بغدادی نے انہیں دوبارہ جمع کیا۔ زیدیہ فرقہ کے ساتھ پیش آنے والے حالات و واقعات کے سبب یہ کتب کسی کے پاس محفوظ نہ رہ سکیں۔ یہی حال مسند امام زیدؑ کا ہے کہ شیخ واسعی نے اپنے اُستاد سے سن کر مسند امام زیدؑ تالیف کی اور اسے شائع کیا، جسے اشکال سے خالی نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کتاب کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس کتاب میں پائی جانے والی اغلاط حضرت زید شہیدؑ کی ذات سے بعید ہیں اور انہیں آپ کی طرف منسوب کرنا نا صرف علمی بد دیانتی ہے بلکہ ایک منظّم سازش کا حصہ ہے۔ مُسند امام زیدؑ کو حضرت زید شہیدؑ یا ابو خالد الوسطی یا عبدالعزیز بن اسحٰق البقال بغدادی کی تالیف قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اسے شیخ واسعی کی کاوش قرار دیا جاسکتا ہے۔

کتابیات

1. الامام زید، شیخ محمد ابوزہرہ مصریؒ، ص ۲۴۰
2. الامام زید، شیخ محمد ابوزہرہ مصریؒ، ص ۲۴۰
3. طوسی، شیخ محمد بن الحسن، الفہرست، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویۃ نجف اشرف، ص ۱۸۹، رقم الرجال، ۸۴۸
4. طوسی، شیخ محمد بن الحسن، رجال الطوسی، تحقیق: جواد القیومی الاصفہانی، مطبوعہ مؤسسۃ النشر الاسلامی، قم، ص ۱۴۲، رقم الرجال ۶۹/۱۵۳۴
5. نجاشی، احمد بن علی بن احمد، رجال نجاشی: احمد بن علی بن احمد، مطبوعہ بمبئی۔ ۱۳۱۷ق، ص ۲۰۵
6. طوسی، شیخ، ابو جعفر محمد بن حسن، اختیار معرفۃ الرجال المعروف رجال الکشی: شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی، مطبوعہ دانشگاہ مشہد۔ ۱۳۴۸ش، ص ۳۹۰، رقم الرجال۔ ۷۳۳
7. علامہ حلی، خلاصۃ علامہ "خلاصۃ الاقوال فی معرفۃ الرجال"، مطبوعہ تہران۔ ۱۳۱۲ق، ص ۱۱۷
8. المامقانی، حاج شیخ عبداللہ بن محمد حسن، تنقیح المقال فی احوال الرجال، مطبوعہ نجف ۱۳۵۲ش۔، ج ۱، ص ۱۱۲
9. مجلسی، علامہ محمد باقر، وجیزہ، (ضمیمۂ خلاصۃ الاقوال علامہ حلی)، مطبوعہ تہران، ۱۳۱۲ق، ص ۵۹، س۔ ۱۹،
10. الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر، ج ۱، ص ۲۶؛ مسند امام زید، زید بن علی بن الحسین، (مقدمہ) ص ۱۲؛ الامام زید، ص ۲۳۶
11. الامام زید، محمد ابوزہرہ مصری، ص ۲۳۸؛ مسند امام زید، زید بن علی بن الحسین، (مقدمہ) ص ۱۲
12. المجموع الحدیثی وَالفقہی، ص ۲۶
13. الامام زید، شیخ محمد ابوزہرہ مصریؒ، ص ۲۴۰
14. المجموع الحدیثی وَالفقہی، ص ۲۶
15. اردکانی، سید ابو فاضل رضوی، شخصیت و قیام زید بن علی، مطبوعہ حوزہ علمیہ، قم، ایران، ص، ۳۳۷، ۳۳۶۔
16. مسند امام زید، (کتاب الصلاۃ باب الاذان)، ص ۸۱، رقم الحدیث ۴۶،
17. من لایحضرہ الفقیہ، تصحیح و تعلیق: علی اکبر الغفاری، منشورات جماعۃ المدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ، قم، ۱۴۰۴ھ، ج ۳، ص ۱۰۹، ۱۱۰
18. تہذیب الاحکام، تحقیق: السید حسن الموسوی الخرسانی، المطبعۃ دار الکتب الاسلامیۃ، طہران، اطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۶۴ ش، ج ۶، ص ۳۷۶،
19. طوسی، شیخ، ابو جعفر محمد بن الحسن، الاستبصار، تحقیق و تعلیق: السید حسن الموسوی الخرسان، دار الکتب الاسلامیۃ، طہران، الطبعۃ الرابعۃ۔ ۱۳۶۳ش، ج ۳، ص ۶۵
20. عاملی، شیخ محمد بن الحسن الحر، وسائل الشیعۃ (الاسلامیۃ)، تحقیق: الشیخ محمد الرازی، تعلیق: الشیخ ابی الحسن الشعرانی، مطبعۃ دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ ۲۰۰۹ء، ج ۱۲، ص ۱۱۴
21. مسند امام زید، (کتاب الجنائز باب غسل المیت) ص ۱۶۴، ۱۶۵؛ المجموع الحدیثی والفقہی ص ۱۲۰؛ تہذیب الاحکام، ج ۱، ص ۴۴۳
22. الاستبصار، ج ۱، ص ۲۰۳
23. وسائل الشیعہ، ج ۲/، ص /۷۰۵، ۷۱۰؛
24. مسند الامام زید، (باب الشہید والذی یحترق بالنار والغریق) ص ۱۶۵؛ المجموع الحدیثی وَالفقہی، ص ۱۲۰، رقم الحدیث ۱۶۴
25. تہذیب الاحکام، ج ۱، ص ۳۳۲، ج ۶، ص ۱۶۸
26. الاستبصار، ج ۱، ص ۲۱۵
27. وسائل الشیعہ، ج ۲، ص ۶۹۹

28. مسند امام زید، (باب الشهيد والذی يحترق بالنار والغريق) ص١٦٦؛ المجموع الحديثی وَالفقهی، رقم الحديث ١٦٧، ص١٢١
29. كلينی، شيخ محمد بن يعقوب، فروع الكافی، تهران، دارالكتب الاسلاميہ، ١٣٩١ق ج٣، ص٢١٣
30. تهذيب الاحكام، ج١، ص٣٣٣،
31. وسائل الشيعہ، ج٢، ص٧٠٢
32. مسند امام زيد، ص١٦٦ (باب الشهيد والذی يحترق بالنار والغريق)؛ المجموع الحديثی وَالفقهی، ص١٢٠، رقم الحديث ١٦٦
33. فروع الكافی، ج٣، ص٢١١
34. من لايحضر الفقيہ، ج١، ص١٥٩، رقم الحديث۔ ٤٤٦
35. تهذيب الاحكام، ج١، ص٣٣٢
36. وسائل الشيعہ، ج٢، ص٧٠١
37. مسند امام زيد، (باب توجيه الميت إلى القبلہ باب توجيه الميت الى القبلة) ص١٧٥، ١٧٦؛ المجموع الحديثی وَالفقهی، رقم الحديث ١٨٩ ص١٢٦،
38. من لايحضر الفقيہ، رقم الحديث۔ ٣٤٩، ج١، ص١٣٣
39. وسائل الشيعہ، رقم الحديث۔٦، ج٢، ص٦٦٢
40. الشيخ الصدوق، علل الشرائع، منشورات المكتبة الحيدرية النجف الأشرف، ١٩٦٦ء، (باب ٢٣٤-علة توجيه الميت الى القبلة) رقم الحديث١، ج١، ص٢٩٧
41. مسند امام زيد، (باب أكل الربا وعظم اثمه والحلف على البيع)، ص٢٥٦؛
42. المجموع الحديثی وَالفقهی، رقم الحديث ٣٢٥، ص١٧٨
43. من لايحضر الفقيہ، شيخ صدوق، ج٣، ص١٧٤، رقم الحديث۔ ٣٩٩٤
44. تهذيب الأحكام، شيخ طوسی، ج٧، ص١٥
45. وسائل الشيعہ، رقم الحديث١، ج١٢، ص٤٣٠
46. مسند امام زيد، باب المهور ص، ٣٠٣، ٣٠٤؛ المجموع الحديثی وَالفقهی، رقم الحديث ٤٢٨، ص٢١٠
47. تهذيب الأحكام، ج٧، ص٣٥٨
48. الاستبصار، ج٣، ص٢٢١
49. وسائل الشيعہ، (رقم الحديث۔١، ج١٥، ص١٧
50. مسند امام زيد، (باب الديات)، ص٣٤٥؛ المجموع الحديثی وَالفقهی، رقم الحديث ٥١٨، ص٢٣٣
51. الاستبصار، ج٤، ص٢٢٦
52. وسائل الشيعہ، ج١٩، ص١٣٩، ١٢٧
53. تهذيب الأحكام، ج١٠، ص٢٧٩
54. مسند امام زيد، (باب الديات)، ص/٣٤٦؛ المجموع الحديثی وَالفقهی، ص٢٣٤، رقم الحديث ٥٢٧
55. وسائل الشيعہ، ج١٩، ص٢٠٣، رقم الحديث۔ ٣٥٥٧٥/٢،
56. شيخ، صدوق، معانی الأخبار، تصحيح وتعليق: علی أكبر الغفاری، مؤسسة النشر الاسلامی، قم۔ايران، ص٣٠٣
57. مسند امام زيد، ص٣٨٠
58. ايضاً، ص٣٨٠
59. ايضاً، (مقدمہ كتاب)، ص٣٨، ٣٧

60. ابو محمد، عبد القادر بن أبي الوفاء محمد بن أبي الوفاء القرشي، الجواہر المضیة في طبقات الحنفیة، الناشر میر محمد کتب خانہ، کراتشي، باکستان، رقم الرجال ۱۰۲۳، ص ۳۷۱
61. ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ، الناشر: دار احیاء التراث العربي، بیروت، ج ۳، ص ۸۲۱،
62. مسند امام زید (مقدمہ) ص ۱۴
63. طہرانی، آقای بزرگ، الذریعۃ الی تصانیف الشیعہ، مطبوعہ ۱۳۸۹ھ، الثانیۃ، دار الأضواء، بیروت، رقم الکتاب: ۳۷۸۲، ج ۲۱، ص ۲۶۔
64. مسند امام زید، ص ۳۸۱۔

1۔أبو الفضل اندلسی، أبو الفضل عیاض بن موسی الیحصبی، ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ أعلام مذہب مالک، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۱۸ ھ ۱۹۹۸ء ص ۱۰۱/؛ شیخ، محمد ابو زہرہ مصری، مالک: حیاتہ وَ عصرہ۔ اَراء وَ فقہ، الطبع وللنشر دار العربي الفکر، قاہرہ، ص ۲۲۵؛ مالک، مالک بن أنس أبو عبداللہ الأصبحي، موطاء مالک، تحقیق: تقی الدین الندوی أستاذ الحدیث الشریف بجامعۃ الامارات العربیۃ المتحدۃ، تعلیق المُمَجَّد لموطّا الامام محمد وہو شرح لعبد الحہ اللّکنوی، الناشر دار القلم، دمشق، الطبعۃ الأولی ۱۴۱۳ھ ۔ ۱۹۹۱ م، (الصفحات مرقمۃ آلیا)، ص ۵؛ ابو الحسنات، محمد عبد الحہ بن محمد عبد الحلیم الأنصاري اللکنوي الہندي، التعلیق الممجد علی موطأ محمد (شرح لموطأ مالک بروایۃ محمد بن الحسن)، تعلیق وتحقیق: تقی الدین الندوی أستاذ الحدیث الشریف بجامعۃ الامارات العربیۃ المتحدۃ، الناشر: دار القلم، دمشق، الطبعۃ: الرابعۃ، ۱۴۲۶ ھ ۔ ۲۰۰۵ م، ص ۱۳؛ الکتانی، ابو عبد اللہ محمد بن جعفر الکتاني الادریسي المغربي، الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ، تعلیق: ابو یعلی البیضاوی المغربي، المطبوعۃ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ، ج ۳، ص ۲۲

2۔أبو الفضل اندلسی، أبو الفضل عیاض بن موسی الیحصبی، ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ أعلام مذہب مالک، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۸ھ - ۱۹۹۸ء ص ۱۰۱؛ مالک: حیاتہ وَعصرہ۔ اَراء وَ فقہ،، ص ۲۲۶؛ موطاء مالک، ص ۵۷

3۔ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ أعلام مذہب مالک، ص ۱۰۱؛ مالک: حیاتہ وَعصرہ۔ اَراء وَ فقہ، ص ۲۲۶۔

4۔ابو زہرہ، شیخ، محمد ابو زہرہ، الامام زید: حیاتہ وَعصرہ۔ اَراء وَ فقہ، الطبع وللنشر دار العربي الفکر، قاہرہ، ص ۲۳۳۔

5۔ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ أعلام مذہب مالک، ص ۱۰۱؛ مالک: حیاتہ وَعصرہ۔ اَراء وَ فقہ، ص ۲۲۸

6۔مسند الامام زید، مطبوعہ منشوارات دار المکتبۃ الحیاۃ، بیروت۔ ۱۹۸۷ء، ص ۱۳

7۔تاریخ الادب العربي، کارل بروکلمان، تاریخ الادب العربي، ، عربي ترجمہ الدکتر عبدالحلیم النجار، الناشر: دار المعارف قاہرہ، المطبعۃ الخامسہ، ج ۳، ص ۳۲۳

8۔المجموع الفقہی والحدیثی المسمی بہ (مسند الامام زید)، مرتبہ: محدث أبو خالد عمرو بن خالد الواسطی، مؤسسۃ الامام زید بن علی (ع) مطبوعہ یمن، ص ۲۰

9۔ذھبی، شمس الدین محمد بن أحمد، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، تحقیق الشیخ علی محمد معوض والشیخ عادل أحمد عبدالموجود، الناشر دار الکتب العلمیۃ، بیروت، سنہ اشاعت ۱۹۹۵ء، ج۲، ص۲۸۷،۲۸۶؛ تھذیب التھذیب، ج۸، ص۲۶، ۲۷؛ الامام زید، ص۲۴۰

10 ۔الامام زید، شیخ، محمد ابوزہرہ مصری، ص۲۳۴

The Basic Principles of Studying Quran

By: ***Dr. Sheikh Muhammad Hasnain***
sheikh.hasnain26060@gmail.com

Key Words: *Quran, Study, Principle, Guidance, Infallibility, Natural Sciences, Human Sciences.*

Abstract:
Holy Quran is a divine book. There are some basic principles for comprehending Quran. Without taking those principles into account, one cannot escape from misunderstanding the Holy Book. In this article two basic principles of studying Quran have been discussed:

- *Basic Role of the Holy Quran is to guide human beings towards right thinking and accurate acting accordingly. Humanity can reach its noble destination only under the guidance of Holy Quran. So, as a basic principle, while studying Quran, everyone shoule seek for the right path of all his movements. But it dosen't mean that it forbidden to seek for pure sciences and humen sciences in the Holy Quran.Because Quranic verses while discuss "what ought", they also discuss "what is".*
- *Any attempt to understand the Holy Quran without getting essential guidance from its infallible teachers, can not be fruitful. So studding every verse from Holy Qurqn, we should seek the interpretation of that verse by Qurans' infallible teachers and any interpretation of Quran that contradicts to that of its true teachers must be rejected.*

The above principles of understanding Quran have been inferred from the ideas of prominent experts of Quran such as Jalal al Din Siyouiti, Allama Tabatabai, Mustafa Khomeini, Jawadi Amouli, and Ameed Zanjani, after critically evaluating their ideas and analyzing many verses of the Quran.

The Necessity and Importance of Studying the Lifestyle of the Holy Prophet in Contemporary Era

By: ***Prof. Dr. Muhammad Tufail***

Key Words*: The Seal of Prophets, Mercy to the Worlds, Lifestyle of the Prophet, ideal Model, Revival of the Sunnah, Honor of the Prophet.*

Abstract:

All the prophets sent by Almighty Allah for the guidance of mankind stressed on monotheism and uplift of human beings. The prophethood of those who were ordained before our prophet was limited in scope, whereas our Prophet (PBUH) is the seal and master of prophets. The message of our Prophet (PBUH) is universal and panacea for all problems of humanity. According to holy Quran, the life of Holy Prophet (PBUH) is ideal for all human beings. Muslims have given massive information about the ideal life of the Prophet (PBUH) insofar as the Prophet (PBUH) has always been at the top of the pyramid of the reformers.

Any book on Islamic science and art is considered as incomplete unless it contains some references of the ideal life of the Prophet (PBUH). However, there are many dimensions of the ideal life of the Prophet (PBUH) that are not unveiled such as the Prophet's life being appropriate source of guidance for humanity, the sermon of his last Pilgrimage, human rights including initial charter of women rights, guidance for youth in his views, basic principles for various fields and professions of human life, solutions for the problems of 21st century, and his message for scientific innovations.

The above mentioned aspects of the ideal life of holy Prophet (PBUH) are few among many that must be highlighted. The study of the Prophet's ideal life is also important to restore the dignity of Muslim community and bring Islam back to its higher position.

Unity among Muslims and Islamic Brotherhood

By: ***Muhammad Ali Ramadhani***

Key Words*: Unity, Muslims, Brotherhood, Peaceful Society, Rope of Allah.*

Abstract:

Holy Quran compels Muslims to hold fast by the rope of Almighty Allah and not be divided. It resembles the divisions of Ignorance period (Jahilliyah) and mutual animosity to that of being at the brink of a pit of fire. Quran terms the mutual love and unity that was promoted by Holy Prophet (PBUH), as a blessing.

Today, unfortunately, the Muslim community has again come to the brink of the abyss of fire of mutual animosity and disunity. Muslims are being called heretic. The foundations of Islam are destabilized by promoting divisions between Muslims.

To some extent, Muslim rulers and politicians are also encouraging divisions to protect their rules. It is obligatory on all Muslims to hold fast the rope of Allah and to avoid broadening divisions. All Muslims must struggle to promote unity and Islamic brotherhood. It is important not only to refrain from accusing another Muslim of apostasy, but also to let minorities in Muslim countries to lead a peaceful life by honoring human rights which have been given by Islam.

Role of Shiites in Formation of Islamic Civilization

By: ***Syed Rameez al Hassan Mosavi***

Key Words*: Civilization and Culture, interpretation of Quran, Islamic Jurisprudence, Shiite, Fatimid, A'al -e-Bouy, Translation Movement*

Abstract:

Many Muslim historians have not accurately and properly mentioned the role of Shiites in formation of Islamic civilization under the influence of their political and sectarian interests. They extended the credit of forming Islamic civilization only to caliphs and some Muslim rulers. A critical and deep study of Islamic history, however, provides evidences of the role of Imams and their followers (twelvers, Zaydis, Isma'ilis) in the formation of Islamic civilization. It is a fact that Imam Muhammad Baqir (AS) and Imam Sadiq (AS) and their disciples played a prominent role in the formation of Islamic civilization. Various disciplines and fields of knowledge are considered as base of any culture and civilization. The role of infallible imams in development of many Islamic sciences such as Tafseer, Fiqh, Philosophy, kala'am, hadith etc. is an undeniable fact of their contribution in the formation of Islamic civilization. This article is aimed to highlight the role Imams and their followers played in formation of Islamic civilization.

ISLAMIC SOCIETY
(IN THE LIGHYT OF NAHJUL BALAGHAH)

By: ***Roshan Ali***

Key Words*: Society, Nahjul Balaghah, Social Classes, Tradition of the Holy Prophet, tradition of the Infallible Descendants of the prophet (PBUH), Justice, Just government*

Abstract:

Instinctively, human beings have been struggling for living a collective life and making their social life better. However, this endeavor can be fruitful only when they adhere themselves to the fountain of revelation. In this article, the salient features of the Islamic society have been highlighted in the light of Imam Ali (AS), who had always been in the lap of revelation and prophethood. According to Nahjul Balaghah, all human beings are equal in their essence. They deserve equal social rights. Imam Ali (AS) advices human beings to maintain their relations with the basic unit of society i.e. family. Imam Ali terms monotheism and following of Quran and tradition of the Holy Prophet (PBUH) and his infallible descendants as basic principles of an Islamic society. For Imam Ali, an Islamic society is above the evils of prejudice and treason. In an Islamic society, underlined by Imam Ali, members of the society pursue knowledge and love each other. Support of the masses, establishment of a just government, preservation of peace and stability, revival of the religion, appreciation of knowledge, unity and solidarity, and training of the members of the society are among the major objectives of the formation of the Islamic society.

Business Ethics (2)
From the viewpoint of Economics & Islam

By: ***Yadullah Dadgar***
Translator: ***Dr. Muhammad Hasnain***

Key Words*: Economics, Ethic, Business, Essence of Islam, Usury.*

Abstract:
There are specific rules and principles in Islamic economics regarding trade and business, as other economic systems possess. An attempt has been made in this article to prove that taking care of Islamic business ethics result in flourishing and expansion of business. The author has tried to highlight various dimensions and aspects of business ethics under the paradigm of Islamic economics. In the first part of the article, general ideas of economics and ethics had been discussed. In this part of the article, correlation between Islam and ethics and the related methodological aspects have been identified. This part also bears an account on basic principles and salient features of business ethics. At the end of this article, basic concepts of Islamic ethics and its practical models would be discussed in the light of Islamic views.

AN ANAYLITICAL REVIEW OF MASNAD-E-IMAM ZAID

By: ***Dr. Syyed Haider Abbas Wasti***

Key Words: *Masnad-e-Imam Zaid, Abu Khalid Wasti, Umayyads, Abbasids, Zaydis, Sheikh Muhammad Abu Zahra Misri.*

Abstract:

Zaidai sect came into being after the martyrdom of Hazrat Zaid in 122 Hijrah and is associated with him. The well-known religious book of Zaydis is Masnad-e-Imam Zaid. After his martyrdom, his two disciples, Omar bin Khalid and Abu Khalid Wasti, published the Ahadithis, they listened from him, and his views on Islamic jurisprudence in two books. In 360 Hijrah, Abul Aziz Baqqal completed the task of re-compliance of these two books. These books were merged into one book in 1360 Hijrah and were published in Cairo under the title of "Masnad-e-Imam Zaid". In an attempt to promote Zaidai faith in Pakistan, the translation of Masnad-e-Imam Zaid was published. In this article, an analytical review of the Masnad has been presented. According to this article, this book does not have any linkage with the sayings of Zaid Shaheed. The association of this book with Hazrat Zaid is not only a betrayal with knowledge, but also a well-planned conspiracy. According to the writer, this book is actually a brain-child of Sheikh Wasti.

صحیفۂ سجادیہ میں صلۂ رحم کی دعائیں

وَ وَفِّقْنٰا فيهِ لِأَنْ نَصِلَ أَرْحٰامَنٰا بِالْبِرِّ وَ الصِّلَةِ، وَ أَنْ نَتَعٰاهَدَ جيرٰانَنٰا بِالْإِفْضٰالِ وَ الْعَطِيَّةِ، وَ أَنْ نُخَلِّصَ أَمْوٰالَنٰا مِنَ التَّبِعٰاتِ، وَ أَنْ نُطَهِّرَهٰا بِإِخْرٰاجِ الزَّكَوٰاتِ، وَ أَنْ نُرٰاجِعَ مَنْ هٰاجَرَنٰا، وَ أَنْ نُنْصِفَ مَنْ ظَلَمَنٰا، وَ أَنْ نُسٰالِمَ مَنْ عٰادٰانٰا، حٰاشىٰ مَنْ عُودِيَ فيكَ وَ لَكَ فَإِنَّهُ الْعَدُوُّ الَّذي لٰا نُوٰاليهِ، وَ الْحِزْبُ الَّذي لٰا نُصٰافيهِ۔ (صحیفہ کاملہ، دعا: ۴۴)

یعنی: ”اور ہمیں اس مہینہ (ماہ مبارک) میں توفیق دے کہ نیکی واحسان کے ذریعہ عزیزوں کے ساتھ صلہ رحمی اور انعام وبخشش سے ہمسایوں کی خبر گیری کریں اور اپنے اموال کو مظلوموں سے پاک وصاف کریں اور زکوۃ دے کر انھیں پاکیزہ و طیب بنالیں اور یہ کہ جو ہم سے علیحدگی اختیار کرے اس کی طرف دست مصالحت بڑھائیں جو ہم پر ظلم کرے اس سے انصاف برتیں جو ہم سے دشمنی کرے اس سے صلح وصفائی کریں سوائے اس کے جس سے تیرے لئے اور تیری خاطر دشمنی کی گئی ہو کیونکہ وہ ایسا دشمن ہے جسے ہم دوست نہیں رکھ سکتے اور ایسے گروہ کا (فرد) ہے جس سے ہم صاف نہیں ہو سکتے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ سَدِّدْنِي لِأَنْ أُعَارِضَ مَنْ غَشَّنِي بِالنُّصْحِ وَ أَجْزِيَ مَنْ هَجَرَنِي بِالْبِرِّ وَ أُثِيبَ مَنْ حَرَمَنِي بِالْبَذْلِ وَ أُكَافِيَ مَنْ قَطَعَنِي بِالصِّلَةِ وَ أُخَالِفَ مَنِ اغْتَابَنِي إِلَى حُسْنِ الذِّكْرِ وَ أَنْ أَشْكُرَ الْحَسَنَةَ وَ أُغْضِيَ عَنِ السَّيِّئَةِ

(صحیفہ کاملہ، دعا: ۲۰)

یعنی: ”اے معبود! محمدؐ اور ان کی آلؑ پر رحمت فرما اور دھوکہ دینے والے شخص کی خیر خواہی کرنے میں میری مدد کر جو دوری کرے اس سے نیکی کرنے کی ہمت دے جو مجھے محروم کرے اس پر بخشش کرنے کا حوصلہ دے۔ قطع تعلق کرنے والوں کے نزدیک ہونے اور غیبت کرنے والوں کو اچھائی سے یاد کرنے کی توفیق دے۔ نیز نیکی پر شکریہ اور بدی پر چشم پوشی کی ہمت دے۔

ISSN 2221-1659

Quarterly

Religious Research Journal

Noor-e-Marfat

فکر رسول ﷺ انسانی بھلائی کے تمام عناصر اور پہلوؤں جیسے عبادات، معاملات، اخلاق وآداب، انسانی تعلقات، انسانی ضروریات اور انسانی مسائل کا کما حقہ احاطہ کرتی ہے۔ چنانچہ نہ تنہا عدلیہ، انتظامیہ، مقننہ، ماہرین معیشت، سیاستدان، معلمین اخلاق اور سماجی کارکن، بلکہ ہر فکر اور ہر طبقہ کے افراد آپؐ کی صائب فکر سے ہمہ وقت رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے رسول رحمتؐ کی پوری حیات مبارکہ ایک عملی نمونہ ہے۔ آپؐ کی سیرت زمان ومکان کی قیود سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں کے لیے عموماً اور مسلمانوں کے لیے خصوصاً ہدایت اور رہنمائی کا سامان فراہم کرتی رہے گی۔

"نمت" (نورالہدیٰ مرکز تحقیقات)

نورالہدیٰ ٹرسٹ، محلہ سادات، بارہ کہو، اسلام آباد

www.nmt.org.pk www.nht.org.pk